وعظ

الدین الخالص

(اعمالِ دین میں اخلاص کی اہمیت)

دین کے اعمال میں اخلاص کی ضرورت پر حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ کانپور چٹائی محال میں ۹/ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ کو ارشاد فرمایا۔

الدین الخالص

(اعمال دین میں اخلاص کی اہمیت)

عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
خطبۂ ماثورہ	۵	تشبہ کا نقصان	۱۷
اہمیتِ مضمون	۵	اخلاص کی اہمیت	۱۸
معنیٔ اخلاص میں عوام کی غلطی	۶	عبادت کی قبولیت کا معیار	۲۰
تعویذ کا درجہ	۶	ضرورتِ اخلاص کی عقلی دلیل	۲۱
خوش خلقی اور تواضع کی حقیقت	۷	حصولِ اخلاص کی فکر	۲۲
آج کل کی تواضع	۸	اصلاح کی دُھن	۲۳
بداخلاقی یا اصلاح	۹	فضولیات کا فکر	۲۳
جاہل قاری کی حکایت	۱۰	اہل اللہ راحت میں ہیں	۲۵
حضور ﷺ کی نرمی	۱۰	اصلاحِ باطن کے طریقے	۲۶
اکرامِ مؤمن	۱۱	سستی اور کاہلی کی حکایت	۲۷
شعر کا مفہوم	۱۱	ارادہ کی اہمیت	۲۷
لوگوں کی تحقیر سے بچو	۱۲	شاہ ابوالمعالی کی حکایت	۲۸
ہر سختی بدخلقی نہیں	۱۳	ایک نظر میں کمال حاصل ہونے کی حقیقت	۲۹
حضور ﷺ کا سخت جواب	۱۴	باطن کی اصلاح نہ بہت مشکل ہے نہ بہت آسان	۳۰
طلباء کی لاپرواہیاں	۱۴	حقیقتِ تصوف	۳۱
بعض بزرگوں کا معیارِ بیعت	۱۶	مُسکت جواب	۳۲

گناہِ صغیرہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو	۱۶	طالبِ حق کا حال	۳۲

طلب پیدا کرو	۳۴	نیت کی درستگی ضروری ہے	۴۵
علم و عمل کا اہتمام باعثِ اخلاص ہوجائے گا	۳۴	اہمیت نماز	۴۶
عربی اور انگریزی علم میں فرق	۳۵	ذوق کے نزدیک بہترین شاعر	۴۶
کام کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے	۳۶	فیشن کا نقصان	۴۷
کام میں لگے رہو منزل پالوگے	۳۷	اسراف کی برائی	۴۸
حصول مقصد میں جلدی نہ کرو	۳۸	انتقال کے موقع پر کھانا کھلانے کی غرض	۴۸
تصوف میں ترقی اپنے کو کمتر سمجھنا ہے	۳۹	فاسد غرض سے کھلانے پر ثواب نہیں ملتا	۴۹
طالبِ ثمرات ہونا عبدیت کے خلاف ہے	۴۰	چالیسویں کی حقیقت	۵۰
اخلاصِ نیت کی ضرورت	۴۱	ذکر کرنے میں کیا نیت کرنی چاہئے	۵۱
تعلیمِ دین پر تنخواہ کے جواز کی وجہ	۴۲	اخلاص کے حصول کا طریقہ	۵۳
علماء اپنا کام کریں تنخواہ پر نظر نہ رکھیں	۴۳	ہدیہ دینے کے آداب	۵۴
عملی کوتاہیاں	۴۳	ہدیہ لینے کے آداب	۵۵
اعمال میں اغراضِ فاسدہ	۴۴	خلاصۂ کلام	۵۵
عوام میں اخلاص کی کمی	۴۴		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا الٰه الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا و مولٰنا محمدًا عبده ورسولهٗ صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم اما بعد ! فقد قال الله تبارك و تعالى: ﴿قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنِ﴾(۱)

اہمیتِ مضمون

یہ ایک آیت ہے سورۂ زمر کی جس کے شروع میں بھی اجمالاً اس کی طرف اشارہ تھا فی قوله تعالیٰ : ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ﴾ (۲) اس میں ایک ضروری مضمون مذکور ہے جو کسی حالت میں قابلِ فروگذاشت (۳) نہیں کیونکہ اول تو خود اس کا مامور بہ (۴) ہونا اس کے ضروری ہونے کی قطعی دلیل ہے ایک تو یہ وجہ ہے اس کے ضروری ہونے کی' دوسری یہ کہ دو قسم کے امور (۵) ہوتے ہیں ایک وہ کہ ان کا اہتمام اکثر طبائع میں ہوتا ہے دوسرے وہ کہ ان کا اہتمام نہیں ہوتا' اور ہیں واقعی میں قابلِ اہتمام' تو جس کا اس آیت میں بیان ہے وہ ایسا امر ہے جس کا اہتمام باوجود

---

(۱) سورۂ زمر:۱۱ (۲) سورۂ زمر:۳ (۳) ترک کے قابل نہیں (۴) اس کے کرنے کا حکم ہونا اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے (۵) کام۔

اس کے مہتم بالشان (۱) ہونے کے لوگوں میں کم ہے یا نہیں ہے اور نیز وہ اجزاء دین کو عام ہے بعض کے ساتھ خاص نہیں اس حیثیت سے بھی ضروری ہوا چنانچہ عموم ترجمہ سے معلوم ہوجائے گا فرماتے ہیں کہ ''اے محمد ﷺ آپ کہد یجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ دین کو اس کے لئے خالص رکھوں'' یہ ترجمہ ہے اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس میں مضمون اخلاص کا ہے اور اخلاص کے معنی ہیں خالص کرنے کے اور یہ لفظ کوئی نیا نہیں ہے بارہا دفعہ کا سنا سنایا ہے۔

معنئ اخلاص میں عوام کی غلطی

ہاں عوام نے اس کے معنی میں غلطی کر رکھی ہے کہ پیار و محبت کے معنی لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ یہ رسم ہے کہ قل ھو اللہ دلہن کی پیشانی پر لکھتے ہیں تو قل ھو اللہ میں تو اخلاص کا مضمون ہے دلہن سے اس کو کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی مگر اسی خیال سے لکھتے ہیں کہ میاں بیوی میں محبت و اخلاص پیدا ہو پس اس اخلاص کے معنی محبت کے سمجھے ورنہ آیاتِ حُب لکھتے (۲)، سو اول تو اخلاص کے یہ معنی ہی غلط ہیں۔

تعویذ کا درجہ

دوسرے تعویذ لکھنا اصل میں پڑھنے کا نائب ہے یہ دوسرے درجے کی چیز ہے مگر عام مذاق یہ ہوگیا ہے کہ پڑھنے کی یہ وقعت نہیں جتنی تعویذوں کی وقعت ہے۔ حدیث سے تعویذوں کی جو حالت معلوم ہوتی ہے اس پر عبداللہ بن عمرو کی عادت دال ہے جو حصن حصین میں مذکور ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایک دعا اعوذ بکلمات اللّٰہ

(۱) اس کے عظیم الشان ہونے کے باوجود اس کا اہتمام لوگوں میں کم ہے (۲) مثلاً وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وغیرہ آیات۔

پڑھاتے تھے اور جو سیانے(۱) نہ تھے ان کے گلے میں لکھ کر ڈالتے تھے یہ حدیث ماخذِ تعویذ کا اس سے تصریحاً معلوم ہوا کہ اصل مقصود پڑھانا تھا مگر جو سیانے نہ تھے ان کو برکت پہنچانے کا یہ طریقہ تھا کہ دعا لکھ کر گلے میں ڈال دیتے' تو تعویذ باندھنے کا دوسرا درجہ ہے مگر بوجہ ناحقیقت شناسی کے عکس (۲) ہوگیا کہ تعویذ کا اثر زیادہ سمجھنے لگے اور پڑھنے کا کم۔ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اکثر لوگ اس زمانہ میں جاہل ہوتے ہیں اس لئے ہمارے بزرگوں نے تعویذ کا طریق اختیار کیا دوسرے پڑھنے میں دقت (۳) ہے اور نفس ہمیشہ اپنی آسانی کی صورت نکال لیتا ہے۔ بہرحال اسماء الٰہیہ میں (۴) برکت ضرور ہے۔ مگر جب کہ مناسبت بھی تو ہوتو قل ھواللّٰہ کو اس واقعہ سے کوئی مناسبت نہیں کوئی دوسری آیاتِ مناسبہ پڑھ لی جائیں۔ نیز اگر لکھنا ہی تجویز ہو تو آیاتِ مناسبہ لکھوالی جائیں پھر دلہن کی پیشانی پر لکھوانے سے محرم بھی شرط (۵) ہے نامحرم سے جو لکھواتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں اس کی اصلاح بھی ضروری ہے' یہ ایک جملہ معترضہ یاد آگیا بوجہ لفظ اخلاص کے غرض الفاظ کے معنی غلط مشہور ہو جاتے ہیں یہ تو عوام کی غلطی ہے۔ بعض الفاظ کے معنی میں خواص بھی غلطی کرتے ہیں۔

خوش خلقی اور تواضع کی حقیقت

مثلاً خوش خلقی کے معنی خواص میں بھی غلط مشہور ہیں چنانچہ دیکھ لیں کہ خوش اخلاق اس کو سمجھتے ہیں کہ ذرا نرم ہو غصہ نہ کرتا ہو حالانکہ یہ اخلاق نہیں بلکہ آثار ہیں اخلاق کے' اور اخلاق ایک ملکۂ باطنی ہے یعنی جب صفاتِ حمیدہ میں

(۱) سمجھ دار نہیں تھے کہ پڑھ سکتے (۲) حقیقت سے ناواقفی کی وجہ سے معاملہ الٹا ہوگیا (۳) مشکل ہے (۴) اللہ کے ناموں میں برکت ہے (۵) لکھنے والا اس کا محرم ہو' نامحرم کا ہاتھ لگانا جائز نہیں۔

درجہ ملکہ (۱) کا حاصل ہو جائے تو اس شخص کو صاحبِ اخلاق کہیں گے۔ مثلاً تواضع اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کو سب سے چھوٹا سمجھے یہ نہیں کہ ظاہراً منکسر (۲) ہو کر ملے یہ اس کا ایک اثر ہے اور اس کے محمود (۳) ہونے کی شرط اس کا موقع پر ہونا ہے۔ چنانچہ اس کے آثارِ محمودہ کی مدح قرآن شریف سے بھی ثابت ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (۴) تو اس آیت میں تواضع کا ایک اثر بتلایا ہے کیونکہ کبھی کسی شئے کو ماہیت (۵) سے بتلایا جاتا ہے اور کبھی اثر سے تو نرمی و خشوع سے چلنا حقیقت میں اثر ہے تواضع کا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نماز پڑھتے ہوئے داڑھی سے کھیل رہا تھا جیسے اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ نماز کے اندر کپڑوں سے یا بالوں سے شغل کیا کرتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو داڑھی سے نہ کھیلتا۔ تو اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خوف و خشیت قلب میں ہے اور اس کا یہ اثر ہے کہ نماز میں لہو ولعب (۶) نہ ہو۔ غرض نرمی سے چلنا آثار میں سے ہے اس کو تواضع سمجھتے ہیں۔ دو غلطیاں ہوئیں ایک تو یہ کہ اخلاق بالمعنی الحقیقی کو غیر ضروری الحصول سمجھے (۷) کیونکہ اس کے معنی بدل کر اپنے کو اس کا حامل سمجھے اور فارغ ہو گئے (۸)۔

آج کل کی تواضع

اب حالت یہ ہے کہ دل میں تو سمجھتے ہیں کہ ہم بہت بڑے ہیں زبان سے کہتے ہیں کہ ہم کچھ بھی نہیں، حالانکہ دل میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس کا امتحان یہ

(۱) اچھی عادتیں پختہ درجہ میں اس میں پیدا ہو جائیں (۲) ظاہراً جھک کر ملے (۳) اچھے ہونے کی شرط (۴) سورۂ فرقان: ۶۳ (۵) حقیقت (۶) نماز میں بے ہودہ حرکتیں نہ کرے (۷) ایک غلطی تو یہ ہوئی کہ اخلاق کے حقیقی معنی کے حاصل کرنے کو ضروری خیال نہ کیا (۸) اخلاق کے معنی بدلنے کی وجہ سے یہ سمجھے کہ یہ صفت ہمارے اندر موجود ہے اس لئے اس کے حصول کی فکر نہ کی اور بے فکر ہو گئے۔

ہے کہ جب بتکلف متواضع بننے والا کہے کہ میں تو کچھ بھی نہیں کوئی شخص جرأت کر کے یہ کہدے کہ واقعی میں سخت غلطی میں مبتلا رہا آج مجھے معلوم ہوا کہ آپ تو کچھ بھی نہیں محض ناکارہ ہیں، پھر دیکھئے کتنے خفا ہوتے ہیں۔ صاحبو! اگر حقیقت میں ایسا سمجھتے تھے تو ناراض کیوں ہوئے؟ معلوم ہوا کہ ہرگز اپنے کو ایسا نہیں سمجھتے بلکہ اس لئے ایسے الفاظ کہتے ہیں کہ یہ عادت عرفاً محمود(۱) ہے دوسرے لوگ اس پر اور مدح(۲) کرتے ہیں، گویا اور مدح کرانے کے لئے نفس نے یہ طریقہ نکالا ہے۔ اس کی یہ تواضع بھی بغرض تکبّر ہے(۳) جس کا امتحان یہی ہے جو عرض کیا گیا اس طریقے سے اصلی متواضع اور تصنّع (۴) کرنے والے کا خوب پتہ چل جاتا ہے۔

بداخلاقی یا اصلاح

دوسری غلطی یہ ہے کہ جب نرمی کو تواضع سمجھا گیا تو سختی کو بدخلقی پر محمول(۵) کیا جائے گا۔ چنانچہ بعض اہل اللہ اپنے متعلقین پر سختی کرتے ہیں اور دیکھنے والے ان پر تہمت لگاتے ہیں کہ بدخلق(۶) ہیں۔ صاحبو! اصلاح کا نام بدخلقی اسی وجہ سے ہوا کہ اخلاق کے معنی بدل دیئے بلکہ سختی کے موقع پر نرمی کرنا یہ بدخلقی ہے۔ صاحبو! اگر بچہ سنکھیا یا افیون کھانے لگے اور معلوم ہو کہ ابھی نگل جائے گا اس وقت کیا اخلاق یہی ہیں کہ دل شکنی نہ کرو یا یہ کہ اس کے منہ میں انگلی ڈال کر اس کو نکال لو اور سزا دو۔ اب بتلایئے اس میں سے کونسا برتاؤ خوش خلقی ہے۔ حقیقت میں اس کو ہلاکت سے نہ روکنا یہ بدخلقی ہے اور راحت رسانی یہ خوش خلقی ہے۔ یا مثلاً ایک اندھا جارہا ہے اور کنواں آگیا اور کہنے سے رک نہیں سکتا تو کیا خوش خلقی یہی ہے کہ

(۱) عام طور پر ایسے عاجزی کے الفاظ بولنے کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں (۲) تعریف (۳) اس تواضع میں بھی تکبر ہے (۴) اصلی متواضع اور بناوٹی متواضع کا پتہ لگ جائے گا (۵) بداخلاقی سمجھے (۶) بداخلاق ہیں۔

نہایت متانت سے کہے حافظ صاحب آپ کے آگے کنواں ہے ذرا بچ کر چلئے یا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دینا خلق ہے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش بنشینم گناہ است

''اگر میں دیکھوں کہ ایک نابینا اور کنواں پاس پاس ہیں اگر میں خاموش بیٹھا رہوں تو گناہ ہے''

جاہل قاری کی حکایت

مشہور ہے کہ قاری صاحب جو اینٹھ مروڑ(۱) کر پڑھتے تھے انہوں نے شاگردوں سے کہہ رکھا تھا کہ گفتگو بھی قرأت سے کیا کرؤ ایک مرتبہ حافظ صاحب حُقّہ پی رہے تھے چنگاری پگڑی میں جالگی تو ایک شاگرد نے بڑی دیر میں قرأت سے یہ مضمون ادا کیا کہ ''جناب حافظ صاحب آپ کی دستار مبارک(۲) میں ایک چنگاری لگ گئی ہے'' اتنی دیر میں حافظ صاحب کی دستار بہت سی جل گئی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ قرأت کا موقع ہے اس نے بڑی غلطی کی کہ غیر موقع قرأت استعمال کی اسی طرح جو نرمی غیر موقع میں ہوگی وہ بھی مذموم ہوگی اور اخلاق میں شمار نہ ہوگی۔

یہاں سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بزرگوں سے جو سختی صادر ہوتی ہے اس کو سختی کہنا عجب ہے وہ صرف اپنے لوگوں سے سختی کرتے ہیں جس سے اصلاح مقصود ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی نرمی

حضور ﷺ کے سامنے ایک واقعہ ایسا ہوا کہ اس میں آپ ﷺ نے بہت نرمی فرمائی اس کے بتلانے سے معلوم ہوگا کہ نرمی کے موقع پر نرمی کرنے والا حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوسکتا اسی کے ساتھ ایک دوسرا سختی کا واقعہ بھی بتلاؤں گا کہ سختی

(۱) پُرتکلف پڑھتے تھے (۲) پگڑی میں۔

کے موقع پر آپ ﷺ نے کس درجہ سختی فرمائی ہے۔ایک مرتبہ ایک اعرابی نے حضور ﷺ کے سامنے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کردیا۔صحابہؓ نے اس کو گھورا اور دھمکانا چاہا حضور ﷺ نے فرمایا اس کا پیشاب قطع مت کرو(۱)' سبحان اللہ! کیسی حکمت کی بات ہے اس لئے کہ یا تو وہ روکتا یا بھاگتا' روکنے میں تو اس کو سخت تکلیف ہوتی اور بھاگنے سے مسجد اور زیادہ خراب ہوتی' جب وہ بااطمینان (۲) پیشاب کر چکا تو آپ ﷺ نے ایک ڈول اس جگہ بہادینے کا حکم فرمایا اس کے بعد اس اعرابی کو بلاکر نرمی سے فرمایا کہ یہ مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں عبادت کی جاتی ہے اس کو ناپاکی سے ملوث نہیں کرنا چاہئیے۔

اکرامِ مؤمن

اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ مسلمان کی وقعت خدا اور رسول ﷺ کے نزدیک مسجد سے زیادہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس مسلمان کی رعایت مسجد سے زیادہ فرمائی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کو خطاب کرکے فرمایا کہ تو بہت عظمت والا ہے مگر مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ اکرم ہے۔ اسی کو کہا ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است　　　از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

''لوگوں کے دلوں کو راضی رکھو کہ یہ ایک قسم کا بڑا حج ہے کیونکہ ایک دل ہزاروں کعبوں سے بہتر ہے''

شعر کا مفہوم

اس شعر کا مطلب سمجھنے میں بھی لوگوں کو غلطی ہوئی ہے کہ بعض لوگ اپنے

(۱) اس کو پیشاب کرنے سے نہ روکو (۲) اطمینان سے۔

یار دوستوں کے کہنے سے ناچ میں بھی جاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''دل بدست آور کہ حج اکبراست'' یعنی ایک مسلمان کا جی خوش کرنا حج سے افضل ہے تو ناچ میں شریک ہونے سے بھی ایک دوست کا دل خوش ہوجاتا ہے۔ ایک دوسرے شخص نے اس کا کیا خوب جواب دیا ہے کہ دوسرے کا دل مراد نہیں اپنا دل مراد ہے۔ یعنی اپنے دل کو قبضے میں لاؤ اور اس کو احکامِ الٰہیہ کا تابع بنادو یہ توجیہہ نہایت لطیف ہے۔ گوشاعر کا یہ مطلب نہیں بلکہ دوسرے ہی کا مراد ہے مگر مواقع مخالف نصوص شرعاً وعقلاً اس سے مخصوص ہیں۔ بہرحال یہ شعر اس حدیث کا ترجمہ ہے حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کعبہ سے۔۔افضل ہے اور اس کی ایک وجہ ہے کہ ؎

ع دل گذر گاہ جلیل اکبر ست(۱)

تو جب مومن کعبہ سے افضل ہے تو دوسری مساجد سے تو یقیناً افضل ہے۔ چونکہ پیشاب روکنے میں حضور ﷺ کو اس کی بیماری اور تکلیف کا اندیشہ تھا اس لئے مسجد کے ملوث ہونے کی پرواہ نہ فرمائی۔

لوگوں کی تحقیر سے بچو

آج یہ حالت ہے کہ مومن کی تذلیل کرتے ہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ غیر قومیں مومن کی اس قدر تذلیل نہیں کرتیں جتنی یہ نئی روشنی والے غریب مسلمانوں کی تحقیر کرتے ہیں' خاص ہماری قوم میں ایک طبقہ ذرا کھاتے پیتے لوگوں کا ہے وہ غرباء کو بدتہذیب کہتے ہیں اور ان کو چوپایوں سے بدتر سمجھتے ہیں اور پھر مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے کو خیر خواہ قوم کہتے ہیں۔ بس ان کا یہی جواب ہے۔ ﴿قُلۡ بِئۡسَمَا یَأۡمُرُکُمۡ بِهٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾(۲) ''تو کہہ تمہارا

(۱) دل جلیل اکبر یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی جگہ ہے (۲) سورۃ البقرہ: ۹۳۔

ایمان تم کو اس بارہ میں کیسا بُرا حکم دیتا ہے اگر تم ایماندار ہو''۔

ہر کس از دستِ غیر نالہ کند   سعدی از دستِ خویشتن فریاد

''ہر شخص دوسرے کے ہاتھ سے نقصان پہنچنے کی شکایت کرتا ہے اور سعدی کو خود اپنے ہاتھوں یعنی اپنے ہی لوگوں سے بہت کچھ شکایتیں ہیں''۔

مسلمانوں کو آپس میں متحد ہو کر رہنا چاہئے اگر کسی کی غیبت ہوتی ہو تو غیبت کرنے والے کو روکنا چاہئے اگر وہ نہ مانے تو خود اٹھ جانا چاہئے۔ اس طرح ہر شخص کو ضروری ہے کہ اپنے کو سب سے کم سمجھے۔ اس طرح سے انشاء اللہ مخالفتیں بہت کم ہوں گی کیونکہ اکثر جو عداوتیں ہو جاتیں ہیں ان کا بڑا سبب یہی تکبر ہے جس سے غیبت بھی پیدا ہوتی ہے علیٰ ہذا ہر مسلمان کو اپنے دوسرے بھائی مسلمان کے لئے دعائے خیر کرنی چاہئے۔ غرض ہر مسلمان سے اگر وہ مبتلاءِ معاصی بھی ہو وہ برتاؤ کرو جو اپنے بیمار بھائی سے کرتے ہو کیونکہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ حدیث میں ارشاد ہے (وکونوا عباداللّٰہ اخوانًا) ''ہوجاؤ تم اللہ کے بندو بھائی بھائی'' غرض ایک تو حضور ﷺ کا یہ واقعہ ہے جو اس اعرابی کے قصے میں سنا۔

ہر سختی بد خلقی نہیں

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے اور دیوارِ مسجد پر تھوک لگا دیکھا تو حضور ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے اس کو لکڑی سے کھرچ دیا۔ ایک صحابی خوشبو لائے اور اس جگہ مل دی۔

اب دیکھئے کہ وہی ذات بابرکات جنہوں نے وہاں سختی نہیں کی جب ایک شخص نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا یہاں صرف تھوکنے پر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا تو فرق یہ تھا کہ پہلا آدمی دیہاتی تھا اور یہ دوسرے شخص اپنی صحبت کے فیض یافتہ تھے تو

معلوم ہوا کہ غیر واقف سے دوسرا برتاؤ ہوتا ہے اور واقف سے دوسرا، پس اگر ہر سختی بدخلقی ہوتی تو حضور ﷺ سے کبھی صادر نہ ہوتی جن کے بارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾(۱) ”بیشک آپ ایک عظیم اخلاق کے مالک ہیں“

حضور ﷺ کا سخت جواب

اور لیجئے ایک مرتبہ ایک صحابی لقطہ(۲) کے بارے میں حضور ﷺ سے سوال کرر ہے تھے کہ اگر بکری جنگل میں ملے تو اس کو حفاظت کے لئے اپنے قبضہ میں کرلیا جائے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں اس کو لے آنا چاہئے ورنہ درندے اس کو ہلاک کردیں گے، پھر کسی نے پوچھا کہ اگر اونٹ ملے تو اس کو بھی ایسا ہی کیا جائے؟ اس پر آپ ﷺ کو غصہ آ گیا اور چہرہ مبارک سرخ ہوگیا، فرمایا اس کو حفاظت کی کیا ضرورت ہے وہ خود موذی جانوروں کے دفع کرنے پر قادر ہے۔ درختوں سے پتے کھاتا ہوا اپنے مالک سے جاملے گا۔ اس بات پر حضور ﷺ کو غصہ اس لئے آیا کہ اس سوال سے حرص وطمع مترشح ہورہی تھی(۳) کیا اب بھی کہا جائیگا کہ بدخلقی مطلق سختی اور غصے کا نام ہے، آج علماء پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ذراسی بات میں خفا ہوجاتے ہیں ان کے اخلاق عمدہ نہیں سو بحمد للہ ان واقعات کے معلوم کرنے کے بعد یہ الزام رفع ہوگیا ہوگا۔

طلباء کی لاپرواہیاں

اس سے ایک اور بات بھی نکل آئی وہ یہ کہ بعض طلباء استادوں کی شکایت کیا کرتے ہیں کہ بڑے سخت ہیں تو معلوم ہوگیا کہ یہ سنت ہے کہ بے موقع بات پر غصہ کیا جائے اور بعض طالب علم بھی بہت بکھیڑے نکالا کرتے ہیں استاد کو تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بڑی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اگر استاد سے غلطی بھی ہوجائے تو

(۱) سورۃ القلم:۴ (۲) راستہ میں گری پڑی چیز مل جائے تو اس کو لقطہ کہتے ہیں جسے ملے اس کے لئے مالک کو ڈھونڈ کر اسے پہنچانا چاہئے (۳) لالچ وحرص ظاہر ہورہی تھی۔

اس وقت خاموش ہوجانا چاہئے۔ دوسرے وقت ادب سے عرض کیا جاسکتا ہے اور اگر اپنی غلطی ہوتو فوراً رجوع کرنا چاہئے۔ اب تو طالب علم ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے خوامخواہ غصہ ہی آجائے اور سچ یہ ہے کہ طالب علم ہی کم رہ گئے ہیں' چنانچہ بعضے طالب علم استاد کی تقریر بہت بے پروائی سے سنا کرتے ہیں اور جب مطلب سمجھ میں نہیں آتا تو استاد سے جھگڑتے ہیں اس کو غصہ کیسے نہ آئے گا۔ میں ایک لکھنؤ کا واقعہ بتلاتا ہوں کہ ایک جگہ صدرہ(۱) ہوا کرتا تھا کسی مقام میں نسخہ کی غلطی کا احتمال ہوا طالب علموں کے سب نسخوں میں دیکھا گیا ایک طالب علم ان میں ایسے تھے کہ ان سے پوچھا کہ تمہاری کتاب میں کیا ہے تو وہ ڈھونڈھنے لگے استاد جو برہم ہوئے تو کہنے لگے کہ ابھی نظر سے نکل گیا ہے بتلاتا ہوں جب زیادہ دیر ہوئی تو استاد نے کتاب ان سے لیکر خود دیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ کتاب شمس بازغہ ہے پوچھا کہ تم روزانہ اس نسخہ میں پڑھتے ہو کہنے لگے جی ہاں' سوان بزرگ کو اب تک یہ خبر نہ تھی کہ یہ کونسی کتاب ہے کچھ حد ہے اس بے پروائی کی' اسی طرح ایک اور طالب علم فارغین کی نسبت کہتے تھے کہ یہ لوگ بڑے بے وقوف ہیں جو فارغ ہوکر چلے جاتے ہیں کیونکہ پھر روٹی موقوف ہوجاتی ہے ہم تو کئی سال سے نورالانوار پڑھ رہے ہیں اور اب بھی اسی کے حل کرنے کا قصد ہے(۲)۔

ہمارے دیوبند میں ایک طالب علم تھے بڈھے ان کی تمام عمر پڑھنے ہی میں گذر گئی تھی۔ جب دیوبند میں آئے تو ہر جگہ شریک ہوتے تھے۔ ان کا بے ڈھنگا پن آپ کو بتلاتا ہوں کہ انہوں نے ایک بار استاد سے سوال کیا کہ اس میں تو ایک خرابی لازم آتی ہے' استاد نے فرمایا دلیل' تو آپ فرماتے ہیں سبحان اللہ دعویٰ بھی ہم ہی کریں دلیل بھی ہم ہی بیان کریں۔ ہم نے دعویٰ کردیا آپ دلیل بیان کیجئے'

(۱) کتاب کا نام ہے (۲) ارادہ ہے۔

بھلا بتلائیے ایسی بے ڈھنگی بات کا کیا جواب ہوسکتا ہے۔ تو ایسی باتوں پر سختی کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ دیکھئے جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کون خوش خلق ہوگا مگر آپ ﷺ نے بھی بعض باتوں پر سختی اور غصہ کا اظہار فرمایا ہے تو بزرگوں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ یہ بداخلاق ہیں بالکل بیجا ہے۔

بعض بزرگوں کا معیارِ بیعت

بعض بزرگوں نے ایسا کیا ہے کہ ایک چھوٹی سی بات سے بہت بڑی بات پر استدلال کرتے تھے اور اس کے مقتضٰی (۱) پر عمل کرتے تھے۔ ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب کوئی ان کے پاس بیعت ہونے آتا تو وہ اس کے لئے کھانا کچھ زیادہ بھیجتے تھے اور جب وہاں سے بچ کر آتا تو یہ دیکھتے کہ روٹی اور سالن تناسب سے بچا ہے یا بلاتناسب اول صورت میں بیعت کرتے اور دوسری صورت میں انکار کردیتے۔ تو ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بہت چھوٹی سی بات پر وہ اتنی سختی کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ اس سے استدلال کرتے تھے اس کی بے انتظامی پر' اور بدانتظام شخص کو وہ اپنی خدمت میں نہیں رکھتے تھے کیونکہ کوئی کام بدوں انتظام کے نہیں ہوسکتا اور واقعی جس میں انتظام کا مادہ نہ ہو وہ کسی کام کو نباہ نہیں سکتا کچھ دنوں کیا پھر چھوڑ دیا۔

گناہِ صغیرہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو

تو بعضی بات ظاہر میں چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے مگر اس کا منشاء بڑا ہوتا ہے عوام اس کو نہیں سمجھتے اسی لئے خدا تعالیٰ کے معاملات میں بھی ایسے لوگوں سے سخت غلطی ہوتی ہے کہ بعض امورِ عظیمہ کو چھوٹا سمجھ کر اس پر دلیر ہوجاتے ہیں اور

---

(۱) ایک چھوٹی سی بات سے بڑی بات پر دلیل پکڑتے پھر اس کے تقاضے پر عمل کرتے۔

یوں کہتے ہیں کہ خدا کی ذات بہت بے پرواہ ہے ان کے یہاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت نہیں ہوتی سو یہ سخت غلطی ہے جس کو تم چھوٹی سمجھتے ہو وہ ممکن ہے کہ واقع میں بہت بڑی ہو۔ صاحبو! اول تو خدا تعالیٰ کے بہت حقوق ہیں اس کے اعتبار سے وہاں کوئی مخالفت چھوٹی نہیں ہوتی اور اگر اس پر یہ شبہہ ہو کہ پھر کیا صغیرہ پر بھی عذاب ہوگا تو صغیرہ و کبیرہ میں کیا فرق رہا؟ جواب یہ ہے کہ اہلِ سنت نے اس حقیقت کو سمجھا ہے۔ صغیرہ پر بھی تعذیب کو جائز رکھا ہے۔ اور صغیرہ کو جو صغیرہ کہتے ہیں وہ دوسرے اس سے بڑے گناہ کے اعتبار سے نہ یہ کہ وہ واقع میں چھوٹا ہے پس یہ فرق اعتباری ہے ورنہ حقیقت میں عظمتِ خداوندی پر نظر کرنے کے بعد تو ہر گناہ کبیرہ ہے۔ دوسرے اس سے قطع نظر کر کے بھی بعض گناہ کی حقیقت شدید ہوتی ہے گو صورت کسی کی نظر سے بوجہ عدم تأمل خفیف (۱) معلوم ہو۔

تشبہ کا نقصان

چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ ایک دن جا رہے تھے۔ ہولی کا دن تھا' ہندو آپس میں ایک دوسرے پر رنگ ڈال رہے تھے بازار میں ہر شے رنگین نظر آتی تھی انہوں نے ایک گدھے کو دیکھا کہ اس پر رنگ نہیں تو ہنس کر کہا تجھے کسی نے نہیں رنگا تجھ کو میں رنگ دوں۔ اور پان کی پیک اس پر ڈال دی جب مر گئے تو کسی کو مکشوف (۲) ہوا کہ ان کی نسبت حکم ہوا کہ ان کو ہولی والوں میں لے جاؤ۔ کیونکہ انہوں نے گدھے پر پان کی پیک ڈال کر ہولی والوں کی شرکت کی تھی' تو صاحبو! پان کی پیک ڈالنا چھوٹی بات نہیں اس میں تشبہ بالکفار تھا جو بڑی بات ہے تو گناہ کو چھوٹا سمجھنے سے اور اس پر مواخذہ سننے سے کبھی خدا پر بھی لوگوں کا یہ گمان ہو جاتا ہے

(۱) غور نہ کرنے کی وجہ سے ہلکی معلوم ہو (۲) کسی بزرگ کو بذریعہ کشف یہ بات معلوم ہوئی۔

کہ اللہ میاں بہت غصہ فرماتے ہیں ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں استغفراللہ۔ غرض اخلاق کی تفسیر میں ایسا ہی لوگوں کو دھوکا ہو گیا ہے جس میں خواص تک مبتلا ہیں' یہ بات بھی جملہ معترضہ کے طور پر بیان ہوگئی۔

اخلاص کی اہمیت

اب سمجھ لینا چاہئے کہ اخلاص کے جو معنی مشہور ہیں عنایت و محبت وہ صحیح نہیں۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ اخلاص کا لفظ تو سب نے سنا ہوگا مگر اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کسی نے فکر نہیں کی سو بعض تو معنی ہی غلط سمجھے اور بعض نے گو (۱) معنی صحیح سمجھے مگر اس کو ضروری الحصول (۲) نہ سمجھا۔ میں اسی کی شکایت کرتا ہوں کہ ہم لوگ اپنی حالت کو غور کر کے نہیں دیکھتے کہ ہم میں کیا کمی ہے اس لئے میں نے اس آیت کو اس وقت اختیار کیا ہے تا کہ لوگ سن لیں کہ یہ کتنی ضروری بات ہے اور اس کے نہ ہونے میں کتنی کمی ہے۔

اس کو اول تو قرآن پھر نظائر و امثلہ (۳) سے ثابت کروں گا۔ قرآن سے تو اس کا مہتم بالشان ہونا یوں معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اول ''قُــل'' فرمایا جسمیں حضور ﷺ کو حکم ہے کہ یہ بات کہہ دیجئے اور یقینی ہے کہ اگر ''قُــل'' نہ بھی فرماتے جب بھی تو حضور ﷺ فرماتے ہی' جہاں اور احکام کی تبلیغ آپ ﷺ نے فرمائی اس کی تبلیغ فرماتے ہی' اس کے لئے لفظ ''قُــل'' کا زیادہ فرمانا بتلا رہا ہے کہ کوئی مہتم بالشان حکم ہے۔

دوسرے ''اِنِّیْ اُمِرْتُ'' فرمایا ''اِنِّی'' میں دوسری تاکید ہے۔ پھر ''اُمِرْتُ'' میں تیسری تاکید اس طرح ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی برابر کوئی محبوبیت (۴)

(۱) اگرچہ (۲) اس کے حاصل کرنے کو ضروری نہ سمجھا (۳) مثالیں دیکر (۴) آپؐ سے زیادہ کوئی اللہ کو پیارا نہیں۔

میں نہیں تو ظاہر ہے کہ اگر احکام میں رعایت ہوتی تو حضور ﷺ کی سب سے بڑھ کر رعایت ہونی چاہیئے اور رعایت یہ ہوتی کہ بعض احکام سب پر واجب ہوتے آپ ﷺ پر نہ ہوتے چنانچہ اس خصوصیت کو اس آیت میں ظاہر بھی فرمایا ہے کہ ﴿لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾(۱) ''تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے'' تو باوجود اس کے جب ﴿اِنِّیْ اُمِرْتُ﴾ فرما کر مجھ کو حکم کیا گیا ہے اب یہ احتمال نہیں ہوسکتا کہ دوسروں پر واجب نہ ہو۔ البتہ اگر تخصیص کی دلیل (۲) موجود ہو تو وہ دوسری بات ہے اور یہاں مقتضٰی تخصیص (۳) کی کوئی چیز نہیں تو جب ایسی ذات بابرکات کو بھی یہ فرمایا گیا کہ سنا دو مجھ کو حکم ہوا ہے اس بات کا تو سمجھ لیجئے کہ دوسرے لوگ کس حساب میں ہیں۔ ان پر تو یقیناً یہ فرض ہوگا۔

نیز ایک اور بھی تاکید ہے وہ یہ کہ فرماتے ہیں: ﴿اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْن﴾ کہ مجھ کو ایسی طرح عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے جس میں اخلاص ہو تو عبادت گو فی نفسہ خود بھی ایک امر مقصود ہے۔ مگر اس آیتِ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اُس وقت معتبر ہے جب کہ اخلاص کے ساتھ ہو کیونکہ ''اَنِ اعْبُدُ اللّٰهَ'' ''اُمِرْتُ'' کا معمول ہے اور ''مُخْلِصًا'' قید ہے اور کلام مقید میں محطِ فائدہ قید ہوا کرتی ہے (۴) اس آیت سے مقصود بالامر اخلاص ہوا یعنی مطلق عبادت کا حکم نہیں بلکہ عبادت مع الاخلاص کا حکم کیا گیا ہے اسی لئے ''اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَاللّٰهَ مُخْلِصًا'' فرمایا ''اُمِرْتُ اَنْ اَخْلُص'' نہیں فرمایا کیونکہ اگر ''امرت ان اخلص'' فرماتے تو اس سے یہ نہ

(۱) سورۃ فتح: ۲ (۲) کوئی ایسی دلیل موجود ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حکم آپ ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے (۳) اور یہاں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس حکم کا آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہو (۴) جو کلام کسی قید کے ساتھ مقید ہو اس میں جو قید لگائی جاتی ہے وہی مقصود ہوتی ہے۔ یہاں ''مخلصا'' کی قید ہے معلوم ہوا اخلاص مقصود ہے۔

معلوم ہوتا کہ اخلاص اتنی ضروری شئے ہے کہ عبادت تک اس کے بغیر معتبر نہیں۔ جب عبادت کے ساتھ بھی (حالانکہ وہ خود ایک عمدہ اور مقصود شے ہے) اخلاص کا ہونا ضروری ہے تو اس سے اخلاص کی عظمت شان اور زیادہ معلوم ہوگئی کہ عبادت جیسی چیز بھی بدون (۱) اس کے ہیچ ہے اور جس طرح "مخلصاً" کی قید واقع ہونے سے اخلاص کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہوا اسی طرح "ان اعبداللّٰہ" "امرت" کے لئے مفعول بہ واقع ہونے سے ایک اور بات بھی ثابت ہوئی کہ جیسے عبادت کے لئے اخلاص ضروری ہے ایسے ہی اخلاص کے لئے عبادت بھی ضروری ہے کیونکہ صرف اخلاص ہی مامور بہ نہیں "امرت ان اخلص" نہیں فرمایا گیا۔ عبادت اور اخلاص دونوں مامور بہ (۲) ہیں اس سے ان لوگوں کو غلطی ثابت ہوگئی جو عبادت کو ضروری نہیں سمجھتے۔ مگر چونکہ یہاں محطِ فائدہ اخلاص ہے اس لئے یہ زیادہ مامور بہ ہوا حتیٰ کہ عبادت کے ہونے پر بھی اس سے چھٹکارا نہیں۔

عبادت کی قبولیت کا معیار

اس آیت میں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ "مخلصا له العبادة" نہیں فرمایا جیسا کہ "ان اعبداللّٰہ" کے مناسب ظاہرا یہی تھا۔ حالانکہ مراد یہی ہے کہ "خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ عبادت اسی کے لئے خالص ہو"۔ بلکہ یہ فرمایا کہ "مخلصا له الدين" جس سے معلوم ہوا کہ عبادت دین جب ہی ہے کہ اس میں اخلاص بھی ہو۔ تو مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ صورت عبادت جب تک اس میں اخلاص نہ ہو دین نہیں اور جب روح یعنی اخلاص بھی ہو تب البتہ یہ عبادت دین اور خدا کے

---

(۱) عبادت بھی بغیر اخلاص کے بیکار ہے (۲) عبادت اور اخلاص دونوں کا حکم ہے۔

یہاں قابل قبول ہے۔ افسوس اتنے بڑے اہتمام کی چیز اور ہماری اس سے اتنی غفلت یہ تو نقلی طور پر ضرورتِ اخلاص ثابت ہوئی۔

ضرورتِ اخلاص کی عقلی دلیل

اب عقلی طور پر سمجھئے اخلاص کی ضرورت اس کے ترجمہ سے سمجھ میں آوے گی۔ اخلاص کا ترجمہ ہے ''خالص کردن'' خالص اسے کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو جسے عوام نخالص کہتے ہیں۔ مثلاً خالص گھی وہ ہے جس میں تیل کا ملاؤ نہ ہو تو اخلاص کے لغوی معنی خالص کرنے کے ہوئے۔ اب اپنے برتاؤ کو دیکھئے آپ کے ساتھ جب کوئی محبت ظاہر کرتا ہے تو آپ اس کی نیت کو بھی دیکھتے ہیں یا نہیں دیکھتے اگر ایک شخص نذر (۱) بھی دے اور پھر کہے کہ میری سفارش کر دیجئے تو کیا آپ یہ نہ سمجھیں گے کہ یہ نذر اپنی غرض کے لئے تھی یا مثلاً کوئی آپ کی دعوت کرے اور چلتے وقت یہ کہے کہ میرے ذمہ قرضہ ہے کیا آپ کو یہ دعوت ناگوار نہ گذرے گی۔ غرض صبح سے شام تک اپنے معاملات پر نظر کیجئے کہ جو محبت خالص ہوتی ہے اسی کی قدر ہوتی ہے آپ بھی اسی دوستی کو پسند کرتے ہیں جس میں آمیزش (۲) نہ ہو تو خدا تعالیٰ جو کہ طیب ہے آمیزش دار عبادت ومحبت کی کیوں کر قدر کریں گے۔ افسوس محبوبانِ دنیا کے واسطے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہدیہ خالص ہو اس میں کسی چیز کا میل (۳) نہ ہو اور خدائی دربار میں جو عبادت پیش کی جاتی ہے اس کے خالص ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی غرض عقلی اور نقلی طور پر اخلاص کی ضرورت ثابت ہوگئی۔

---

(۱) ہدیہ پیش کرے (۲) ملاوٹ نہ ہو (۳) کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو۔

حصولِ اخلاص کی فکر

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں اخلاص بھی ہے یا نہیں کیونکہ جب وہ ضروری چیز ہے تو اس کا دیکھنا ضروری ہے جب قرآن میں اس کا بتاکید حکم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو فرض نہ سمجھئے۔

فان كنت لاتدری فتلك مصيبة وان كنت تدری فالمصيبة اعظم

یعنی اگر جانتے نہ ہو تو یہ ایک ہی مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو اور پھر عمل نہیں کرتے تو یہ دوہری مصیبت ہے اس کا کوئی بھی تدارک (۱) نہیں کیونکہ جتنے افعالِ اختیاریہ ہیں سب قصد (۲) پر مبنی ہیں بدون قصد وارادہ کے متحقق نہیں ہوتے اخلاص بھی انہیں میں سے ہے اگر ارادہ ہی نہ کروگے تو اخلاص کیسے حاصل ہو جائے گا؟ یہ غلطی بعض طالبانِ باطن کو بھی پیش آتی ہے کہ درخواست کیا کرتے ہیں کوئی دعاء کر دیجئے کہ ہماری اصلاح ہو جائے کوئی ایسا تعویذ دیدیجئے کہ دل سے خطرات دور ہو جاویں ان حضرات سے کوئی پوچھے تو کہ فقط درخواست ہی کرنی آتی ہے یا کبھی اس کی فکر بھی ہوئی ہے اصلاح کا قصد بھی کیا ہے۔ حالت دیکھو تو سبحان اللہ کسی ادا سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال ہے۔ اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو اول پختہ ارادہ کر کے اس کے ذرائع بہم پہنچاؤ تا کہ تصفیہ میسر ہو (۳)

صوفی نشود صافی تادرنکشد جامے بسیار سفر باید تاپختہ شود خامے

”صوفی اس وقت تک پکا صوفی نہیں بن سکتا ہے جب تک عملاً اپنی اصلاح نہ کرتا رہے یہ راستہ بہت لمبا ہے بہت محنت کرنے کے بعد ہی کوئی طالب منزل پاتا ہے“

(۱) سدِ باب نہیں (۲) ارادہ پر موقوف ہیں (۳) تاکہ دل کی صفائی ہو سکے۔

اصلاح کی دُھن

میری یہ مراد نہیں کہ کم کھاؤ پیو جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، میں زیادہ محنت آپ سے نہیں لیتا آپ کو اجازت ہے کہ کھایئے اور پیجئے اور اگر کسی دن عین اوراد واذکار(۱) میں نیند آجائے سو بھی رہئے اور پریشان نہ ہوجیئے مگر اصلاح کی دُھن میں لگے رہئے۔ مولانا کا قول ہے ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

''اس راستہ میں تراش خراش یعنی کوشش کرتے رہئے آخر عمر تک ایک گھڑی بھی فارغ و بیکار نہ بیٹھئے''۔

فضولیات کا فکر

اور میں نے جو کہا کہ آپ سے محنت نہیں لیتا وجہ اس کی یہ ہے کہ آج کل کے قویٰ زیادہ محنت کے قابل ہی نہیں اور سبب اس کا ہجوم افکار ہے جس کا دماغ فکر میں زیادہ منہمک ہوگا وہ ضعیف ہوجائے گا (۲)۔ پہلے لوگوں کے دماغ افکار فضول(۳) سے خالی ہوتے تھے اس لئے قوی بھی ہوتے تھے۔ آج کل تو آدمی بچپن سے ابھرا اور فکر میں مبتلا ہوا کچھ تو اِس زمانہ میں افکار پہلے کی نسبت زیادہ ہیں ہی، کچھ لوگ اپنے سر تھوپ لیتے ہیں۔

خصوصاً بعضے آدمی وضع اور فیشن ہی کے فکر میں رہتے ہیں یہاں تک کہ بعض لوگوں کی حالت دیکھی گئی ہے کہ ہر کام کے لئے الگ لباس مقرر ہے۔ کھانے کا الگ، سواری کا الگ، سونے کا الگ، کچہری میں جانے کا الگ، پاخانہ میں جانے کا

(۱) دوران ذکر اگر نیند آجائے (۲) جس کے دماغ میں فکر زیادہ ہوگی وہ کمزور ہوجائے گا (۳) فضول فکروں سے۔

الگ، لباس کیا ہوا ایک وبالِ جان ہوگیا ایک شخص کی یہ حالت تھی کہ جب کوئی ان کو پکارتا تو آئینہ دیکھ کر بناؤ سنگار کرکے گھر سے باہر نکلتے تھے۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک شخص کچہری میں ملازم تھے وہ پرانے زمانہ کے سیدھے سادھے مسلمان تھے عمامہ جلدی جلدی باندھ لیا کرتے تھے تو وہ خراب بندھتا تھا اور جتنے کچہری والے تھے وہ آئینہ سامنے رکھ کر پہروں میں باندھ کر آتے تھے تو ان کے عمامے خوبصورت بندھے ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حاکم نے کہا کہ منشی جی آپ کو عمامہ باندھنا نہیں آتا دیکھئے اور سب کیا خوبصورت عمامہ باندھ کر آتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ جناب یہ لوگ اپنی بیبیوں سے بندھوا کر آتے ہیں میں خود باندھ لیتا ہوں اگر یقین نہ آئے تو سب سے کہئے کہ عمامے اتار کر پھر باندھیں اگر خراب باندھیں تو سمجھئے کہ یہ خود نہیں باندھتے۔ حاکم نے سب کے عمامے کھلوا کر از سر نو باندھنے کا حکم دیا ان صاحب نے تو ویسا ہی باندھا جیسا ہمیشہ باندھتے تھے اور لوگوں کا بہت ہی خراب بندھا کیونکہ آئینہ تو سامنے تھا ہی نہیں، حاکم نے کہا تم سچ کہتے ہو واقعی یہ لوگ اپنی بیبیوں سے بندھوا کر آتے ہیں۔ سب لوگوں کو بڑی شرمندگی ہوئی۔ غرض بعضے آدمی بناؤ سنگار میں ہی کھپے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سے افکار لاحق ہوجاتے ہیں کیونکہ اول تو اس کے لئے آمدنی بہت چاہئے اس کی فکر پھر خود بھی ہر وقت کا جنجال غرض فکر ہی فکر ہے۔

میں نے ایک عہدہ دار کو دیکھا ایک سفر میں جہاں میں مہمان تھا وہاں ہی وہ بھی مہمان تھے ان کا ہر وقت کا لباس الگ تھا جس سے وہ سخت مصیبت میں تھے ہر وقت یہی فکر سوار تھی کہ اب کیا پہنوں افسوس یہ لوگ آزادی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آزادی کا نام ہی نام ہے ورنہ ان کو آزادی کہاں نصیب، یہ تو ہر وقت افکار کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں آزادی اہل اللہ کو ہے ؎

لنگلے زیر و لنگلے بالا نے غم دزد نے غم کالا

''غریب ننگے جس کے نہ اوڑھنے کو نہ بچھانے کو اس کو نہ چور کی فکر ہوتی ہے نہ سانپ کا ڈر''

غرض تکلف حد سے بڑھ گیا اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ دماغ پریشان وضعیف ہوگئے ہیں بلکہ ان کی وجہ سے اہل اللہ کو فکریں لگ گئی ہیں کہ ان کی خاطر مدارات کے لئے ان کو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہی ہے۔ مثلاً ان لوگوں میں سے کوئی ان کے یہاں مہمان ہو تو اس کے لئے ریل پر گاڑی بھیجنے کی فکر ہوتی ہے کیونکہ یہ بیچارے پیادہ پا چلنے کے عادی نہیں۔ اگر سواری نہ بھیجی جائے تو کئی روز تک اس کی تھکن بھی نہ اترے یہ تکلیف دیکھ کر اللہ والوں کا جی بھی دکھتا ہے۔

اہل اللہ راحت میں ہیں

اہل اللہ کا تو اپنے نفس کے لئے یہ برتاؤ ہوتا ہے کہ نانوتہ میں ایک طبیب رہتے تھے ان کے یہاں ایک بزرگ مہمان ہوئے تو وہ میزبان مہمان سے کیا کہتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ ہے نہیں آج میرے گھر فاقہ ہے اگر اجازت ہو تو کسی اور کو خدمت کی اجازت دوں' چونکہ ان حضرات میں بے تکلفی ہوتی ہے اس لئے مہمان بزرگ نے کہا بہت اچھا جب آپ کے یہاں فاقہ ہے تو ہم بھی آپ ہی کی طرح ہیں کبھی بھوکا بھی رہنا چاہئے۔ چنانچہ دونوں بھوکے بیٹھے رہے حتی کہ مغرب کے وقت ایک شخص نے حکیم صاحب کی خدمت میں کچھ روپے نذر کئے اور کھانا پکایا' کھایا گیا۔ غرض اللہ والے بڑی راحت میں ہیں سو وہ ضعف کے اس سبب سے تو مبرّا ہیں لیکن دوسرے عوارض مثل اثر آب وہوا وغیرہ کے سبب ضعیف ہیں جس سے زیادہ مشقت کے متحمل نہیں (۱) ہوسکتے ایک تو یہ سبب ہے زیادہ محنت کا مشورہ نہ

(۱) زیادہ مشقت برداشت نہیں کرسکتے۔

دینے کا دوسرے طبیعت بھی اکتا جاتی ہے اور گھبرا کر کام چھوڑ دیتا ہے اور آرام سے رہنے میں طبیعت میں نشاط رہتا ہے اور نشاط میں کام سہل ہوتا ہے۔

اصلاحِ باطن کے طریقے

اسی واسطے ہمارے حضرت کی رائے یہ تھی کہ نفس کو خوب خوش رکھو مگر کام بھی بہت لو اور چکی پسواؤ اور جب کام نہ کرے تب بھی یہ سزا نہ دو کہ غذا کم کردو بلکہ کثرتِ نوافل سے اس کا تدارک کرو۔ چونکہ نماز کی شان ہے﴿ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ ﴾ (۱) وہ اس سے گھبراتا ہے پس اس طور پر وہ معمول روزانہ میں سستی نہ کریگا اکثر لوگ مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ ایسی ترکیب بتلادو کہ کھانا کم کھانے کی عادت ہو جائے میں کہا کرتا ہوں کہ اگر کھانا کم ہوگیا اور کمزور اور لاغر ہو گئے تو اتنا کام بھی نہ کرسکو گے جتنا اب کررہے ہو اس کے علاوہ مجاہدے کے اور طریقے بھی تو ہیں۔

حضرت شبلیؒ کی عادت تھی کہ جس روز تہجد کے لئے آنکھ نہ کھلتی تھی تو اپنے بدن پر قمچیاں (۲) مار مار کر توڑ دیتے تھے اور فرماتے کہ﴿ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾(۳) اگر اس کے بعد پھر ایسا ہوا تو ہم پھر ایسا ہی کریں گے تو کھانا کم کرنا کیا ضرور، مجاہدے اور بھی تو ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ایسی محنت میرا مقصود نہیں میرا مقصود یہ ہے کہ اصلاح کی دُھن میں لگ جاؤ باقی کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دین میں کوئی دشواری نہیں جو کچھ تم کو دشواری معلوم ہورہی ہے سبب اس کا یہ ہے کہ تم نے ارادہ نہیں کیا اور ارادہ نہ کرنے سے ہر کام گو وہ کتنا ہی آسان ہو مشکل ہو جاتا ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ: ۴۵ (۲) اپنے جسم پر چھڑیاں مارتے تھے اور کہتے تھے اگر دوبارہ ایسا کریگا میں پھر یہی سزا دونگا

(۳) سورۂ اسراء: ۸۔

سستی اور کاہلی کی حکایت

چنانچہ ایک حکایت یاد آئی زمانہ شاہی میں دو احدی[1] آدمی تھے ایک پڑا تھا دوسرا اس کے پاس بیٹھا تھا راستے میں ایک گھوڑ سوار جا رہا تھا ایک احدی نے اس کو آواز دی کہ اے میاں گھوڑے سوار ذرا میری ایک بات سنتا جا وہ اس کے پاس آیا کہ کہہ کیا کہتا ہے اس نے کہا کہ یہ جو بیر میرے سینے پر پڑا ہے ذرا میرے منہ میں ڈالدے اس نے ایک کوڑا مارا کہ بلاضرورت مجھے چلتے ہوئے کو راستہ سے بلایا اور اتنا نہ ہوا کہ خود کھالے یا اس سے کہدے جو پاس بیٹھا ہے اس نے کہا کہ صاحب میں کبھی اس کا کام نہ کروں گا کیونکہ صبح کتا میرے منہ میں موت رہا تھا اور یہ پاس بیٹھا تھا مگر اس نے ہٹایا نہیں۔ سوار نے ایک کوڑا اُسے مارا اور بُرا بھلا کہتا ہوا چل دیا۔

ارادہ کی اہمیت

غرض یہ ہے کہ ارادہ وہ چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہوتو آسان سے آسان کام بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اب بھی ہم لوگوں کے پاس سے کچھ نہیں گیا صرف ایک چیز گئی ہے وہ یہ کہ ہم اپنی دولت سے کہ اس میں ارادہ بھی ہے کام نہیں لیتے باوجود دولت مند ہونے کے ہماری وہ حالت ہے کہ ؎

یک سبد پُرناں ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب ناں دربدر

جیسے ایک شخص کے سر پر روٹیوں کا بھرا ہوا ٹوکرا رکھا ہوا ہو اور وہ دربدر بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ حضرات آپ کے پاس بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور پھر اجتبیا نہ ڈھونڈھتے پھرتے ہو کہ کچھ بتلا دیجئے مگر آپ چاہتے ہی نہیں اور بغیر آپ کے

---

(۱) دو کاہل الوجود آدمی تھے۔

چاہے اور کام کئے کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ جو حکایتیں مشہور ہیں کہ بعض اولیاء کو ایک دن میں سب کچھ مل گیا تو اس کی حقیقت سن لیجئے۔

شاہ ابوالمعالی کی حکایت

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی اس قسم کی حکایت ہے کہ انہوں نے حضرت شاہ بھیکؒ کو ایک دن بلاکر سب کچھ دیدیا۔ مگر یہ غلطی ہے کہ ایک دن میں سب ہوگیا۔ بات یہ ہے کہ علتِ تامّہ کا جزو اخیر اس ایک دن پایا گیا یہ نہیں کہ تمام اجزاء اسی دن میں پائے گئے لوگ اس کو تو دیکھتے ہیں کہ ایک دن میں کامل کردیا یہ نہیں دیکھتے کہ اس ایک دن سے پہلے انہوں نے کتنی مشقت برداشت کی تھی شاہ بھیک صاحبؒ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مدت دراز تک شیخ کی خدمت میں تکلیفیں اٹھائیں ایک واقعہ ان کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ شیخ ان پر خفا ہوگئے اور فرمادیا کہ ہمارے سامنے نہ آنا چنانچہ یہ حیران و پریشان انبہٹہ کے چاروں طرف پھرتے تھے اور امتثالِ امر(۱) کے سبب سامنے نہ آتے تھے اس میں یہ حال تھا۔

اريد وصاله و يريد هجرى فاترك ما اريد لما يريد

یعنی ”میں ملنا چاہتا ہوں محبوب ملنا نہیں چاہتا تو میں اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے سامنے چھوڑ دیتا ہوں“۔

عشق اسی کو کہتے ہیں۔ چنانچہ مدت تک سامنے نہ آئے برسات کا موسم آیا اور کثرتِ بارش سے شیخ کا مکان گر گیا اب مکان بنانے کو مزدور کہاں سے آئے کیونکہ ناداری(۲) اس قدر تھی کہ اکثر فاقہ کی نوبت آتی تھی سہارنپور کے لوگ دعوت کیا کرتے تھے تو شاہ بھیک صاحب اس قدر جاں نثار خادم

(۱) حکم کی بجاآوری کی وجہ سے (۲) غربت۔

تھے کہ اہل وعیال کے لئے پیادہ پا انبہٹہ کھانا پہنچا کر تہجد کے وقت آ کر شیخ کو وضو کراتے، تو بیوی صاحبہ بولیں کہ یہ جتنے خادم یہاں پڑے ہیں سب اپنی غرض کے ہیں ایک بچارا گنوار سا مل گیا تھا وہ کام کاج کر دیا کرتا تھا اسی کو آپ نے نکال باہر کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ہی نکالا ہے تم نے تو نہیں نکالا تم بلالو میں کب منع کرتا ہوں بات یہ ہے کہ دل سے تو نفرت نہیں تھی چنانچہ انہوں نے کہلا بھیجا کہ مکان گر گیا ہے اس کے بنانے کے لئے حضرت نے تمہارے بلانے کی مجھ کو اجازت دیدی ہے۔ یہ تو مشتاق تھے ہی فوراً حاضر ہوئے مگر خوف کے مارے حضرت کے سامنے نہیں گئے ایک دن چھت کوٹ رہے تھے کہ حضرت شاہ ابوالمعالی صاحبؒ گھر میں کھانا کھانے تشریف لائے کھانا کھاتے ہوئے ایک لقمہ ہاتھ میں لے کر حضرت شاہ بھیکؒ کو دکھایا کہ لے بھیک، یہ ایسے بے تاب ہوئے کہ فوراً چھت پر سے کود پڑے اور حاضر ہوئے شیخ نے منہ میں لقمہ دیا اور گلے سے لگالیا اور خلعت خلافت عطا کیا۔

ایک نظر میں کمال حاصل ہونے کی حقیقت

اس حکایت کو سن کر لوگ کہتے ہیں کہ ایک نظر میں کام ہو گیا۔ ایک دن میں کامل بنا دیا گیا مگر دیکھئے وہ ایک نظر کتنے دنوں میں ہوئی۔ ایک دیا سلائی میں لکڑی جل اٹھتی ہے مگر دیکھو خشک لکڑی ہو تو جل جاتی ہے تو دیکھو اس کے خشک ہونے میں کتنا زمانہ صرف ہوتا ہے اور ایک موٹا تازہ درخت یہ سوچنے لگے کہ مجھ میں تو آگ لگتی ہی نہیں دیا سلائی جلاتی ہی نہیں تو کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح ہے، ہرگز نہیں، یہی کہا جائیگا کہ وہ لکڑی تو سوکھ چکی تھی اس میں رطوبت کم ہو گئی تھی اس لئے ایک دیا سلائی سے جل گئی درخت میں رطوبتیں بہت ہیں نیز موٹا

بہت ہے اس لئے ایک دیا سلائی کافی نہیں ایسے ہی جن کو ایک نظر کافی ہوگئی ہے خبر بھی ہے ان کے نفس پہلے سے کتنے صاف ہوچکے تھے۔ تمہارے نفوس موٹے ہورہے ہیں۔ ان میں مادۂ فاسد بہت بھر رہا ہے اس لئے ایک نظر کافی نہیں ہوسکتی' تو لوگوں کو یہ دھوکے ہوگئے ہیں۔

باطن کی اصلاح نہ بہت مشکل ہے نہ بہت آسان

ایک دوسری غلطی اس کے مقابل یہ ہے کہ کوئی اس کو بہت مشکل سمجھ رہا ہے اس لئے اپنی اصلاح سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور کوئی اتنا آسان سمجھے ہوئے کہ صرف ایک نگاہ کا کام سمجھتا ہے۔ حالانکہ ۔

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے (۱)

اور فرماتے ہیں ۔

شنیدم رہروے درسر زمینے ہمیں گفت ایں معما باقرینے
کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ درشیشہ بماند از بعینے

''میں نے سنا کہ ایک جگہ پر ایک مسافر بہت ہی اچھے طریقہ سے یوں کہتا جارہا ہے اے صوفی! شراب اس وقت صاف اور ٹھیک ہوتی ہے جبکہ اُس پر شیشے کے اندر چالیس دن گذر جائیں''۔

اور فرماتے ہیں ۔

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن دل بدستِ دگر دادن وحیراں بودن
سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

(۱) صوفی اس وقت تک پکا صوفی نہیں بن سکتا جب تک عملاً اپنی اصلاح نہ کرتا رہے یہ راستہ بہت لمبا ہے بہت محنت کرنے کے بعد ہی کوئی طالب منزل پاتا ہے۔

''اگر کوئی پوچھے کہ عاشقی کیا ہے تو کہہ دے کہ اپنے محبوب کا پورا غلام بن جانا۔ یعنی دل دوسرے کو دے کر خود حکم کے منتظر رہنا۔ اس کے زلف کی طرف نظر جمائے رکھنا اور چہرے کو دیکھنا یعنی کبھی کافر ہو جانا کبھی مسلمان ہو جانا''۔

یہ کافر اور مسلمان ایک اصطلاح ہے' بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ یہ کام نہ اتنا آسان ہے جتنا لوگ آسان سمجھتے ہیں کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑے اور ایسا مشکل بھی نہیں کہ جس سے ڈر کر ہاتھ دھو کر بیٹھ جائیں وجہ ان غلطیوں کی یہ ہے کہ لوگوں کو اس حقیقت کی خبر نہیں اس لئے کوئی بہت مشکل سمجھ رہا ہے کوئی بہت آسان جان رہا ہے۔

حقیقتِ تصوف

تو سنئے تصوف کی حقیقت یہ ہے تعمیر الظاہر والباطن (۱) سو یہ اختیاری امر ہے اس لئے تو اس قدر دشوار نہیں اور بوجہ اختیاری ہونے کے موقوف ہے قصد پر اس لئے اس قدر سہل نہیں کہ قصد و ارادہ بھی نہ کرنا پڑے۔ اور گو حقیقت میں یہ فضلِ خدا ہی پر موقوف ہے مگر تاہم صرف ایک چیز اپنے اختیار میں بھی ہے ارادہ اور سعی (۲) اور سعی بھی ارادہ ہی سے ہوتی ہے مگر اب لوگ چاہتے ہیں کہ ارادہ بھی کچھ نہ کرنا پڑے اور کام ہو جائے۔ مگر صاحبو! بدوں ارادہ (۳) تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا دیکھئے کھانا کتنا آسان کام ہے مگر وہ بھی جب تک ارادہ نہ ہو نہیں ہو سکتا غلہ خریدنا پڑے گا پھر پسوانا پکوانا برتن میں نکالنا پھر کہیں جا کر کھانا نصیب ہوگا اور اگر کوئی پکا ہوا بھی دے جائے تو بھی منہ چلانا تو پڑے ہی گا۔ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر سعی کریں تو جانیں کیا کیا کرنا پڑے گا؟ بیوی چھوڑنی پڑے گی' کھانا پینا کم

(۱) ظاہر و باطن کی اصلاح (۲) ارادہ اور کوشش (۳) بغیر ارادے کے۔

کرنا ہوگا غرض بہت مشکل ہے تو انہوں نے یہ تدبیر نکالی کہ کسی بزرگ کے پاس چلو ایک ہی نظر میں کامل بنادیں گے۔

مُسکت جواب

چنانچہ ایک ڈپٹی کمشنر پنشنر اسی خیال سے ایک بزرگ کے پاس گئے کہ خدا تک پہنچنے کی کوئی آسان ترکیب بتلا دیجئے کہ جلدی کامیاب ہو جاؤں تھوڑی دیر وہ بزرگ چپ ہو رہے۔ پھر کہا آپ کی عمر کیا ہے انہوں نے عمر بتلائی پوچھا کہ پڑھنا کب شروع کیا تھا معلوم ہوا کہ بسم اللہ چوتھے برس ہوئی تھی۔ آج کل بسم اللہ کے لئے چار برس کی رسم بھی مسلمانوں میں بہت رائج ہے حدیث وقرآن میں اس کی کوئی اصل نہیں ملتی۔ غرض انہوں نے بیان کیا کہ اردو اتنے برس میں ہوئی‘ فارسی اتنے دنوں میں ہوئی‘ پھر انگریزی شروع ہوئی پھر انگریزی میں پاس حاصل کیا اتنی عمر میں ملازمت ملی اس وقت سے ترقی پا کر ڈپٹی کلکٹر ہوا اب پنشن ہوئی انہوں نے فرمایا اتنی مدت میں آپ کو ترقی ہوئی انہوں نے کہا کہ قاعدہ ہے ایک چیز حاصل شدہ کے بعد جب دوسری چیز حاصل کرتے ہیں تو اس کو پہلی سے افضل سمجھتے ہیں۔

آپ نے دنیاوی ترقی کے لئے جس کو ادنیٰ بھی سمجھتے ہو اتنی مدت صرف کی اور خدا سے ملنے کے لئے کہتے ہو کہ ایک قدم میں پہنچ جاؤں کچھ تو شرم کرنی چاہئے تو وہ ڈپٹی صاحب کہتے تھے کہ واقعی ایسا جواب دیا کہ میں بالکل چپ ہو گیا۔

طالبِ حق کا حال

یہ فرمائش تو بہت اچھی ہے کہ خدا تک پہنچنے کی ترکیب بتلا دو مگر آسانی کی فرمائش نازیبا ہے طالب کو تو ایسا ہونا چاہئے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یاتن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

''میں ڈھونڈھنے سے ہاتھ نہیں روکوں گا یہاں تک کہ میرا مقصود پورا ہوجائے یا یہ تن بدن محبوب کے پاس پہنچ جائے یا جان ہی بدن سے نکل جائے''۔

اپنی طرف سے ارادہ اور طلب کرو اس طرف سے بہت فضل ہوگا۔ حدیث قدسی میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:(مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا) الخ کہ ''جو میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں۔ جو میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے میں اس کی طرف مقدار باع جاتا ہوں جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں''۔ غرض تمہاری تھوڑی سی توجہ پر اس طرف سے عنایت ہی عنایت ہوتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں ۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا وپست

تشنگاں گر آب جو یند از جہاں آب ہم جو ید بعالم تشنگان

''پانی کو کم تلاش کر اصلی پیاس پیدا کر تا کہ تیرے اوپر سے اور نیچے سے پانی جوش مارے۔ پیاسے لوگ اگر دنیا میں پانی کی تلاش کرتے ہیں پانی بھی اس دنیا میں پیاسوں کو تلاش کرتا ہے''۔

اس میں راز یہ ہے کہ جیسے پیاسے پانی کو ڈھونڈھتے ہیں پانی بھی پیاسوں کا طالب ہے اسی طرح جیسے تم طالبِ عنایاتِ حق ہو عنایاتِ حق بھی تمہاری طالب ہیں یہی وجہ ہے کہ ذراسی توجہ پر بے حد عنایات ہوتی ہیں۔ تم اپنے اندر طلب پیدا کرلو محبوب خود بخود متوجہ ہوگا۔ کہتے ہیں ۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیعت ہست (۱)

(۱) ایسا کون سچا عاشق ہے کہ محبوب نے اس کے حال پر نظر نہیں کی ارے میاں تمہیں درد ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے۔

طلب پیدا کرو

حقیقت میں طلب ہی نہیں ورنہ خدا کے یہاں سے کوئی کمی نہیں۔ غرض اس بھروسہ نہ رہنا کہ بدوں کچھ کئے ایک نظر پڑ جاوے گی اور کامل ہو جاؤ گے نظر بھی جب ہی پڑ یگی جب طلب ہوگی۔ دیکھو بعض مرتبہ اساتذہ حساب وغیرہ کا کوئی آسان قاعدہ بھی بتلا دیتے ہیں مگر ہر ایک کو نہیں بتاتے جس میں شوق وطلب دیکھتے ہیں اسی کو بتلاتے ہیں حاصل یہ کہ اخلاص بھی کچھ مشکل نہیں آسان ہے مگر بلا طلب حاصل نہیں ہوتا۔ اب اپنی حالت میں غور کرو ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر کبھی اس طرف توجہ نہ ہوئی کہ نیت خالص ہے یا نہیں اور اگر کسی کے کہنے سے توجہ ہوئی بھی تو یوں چاہتے ہیں کہ خود کچھ نہ کریں اپنے آپ اخلاص ہونے لگے۔

جب اس قدر بے توجہی ہے تو: ﴿ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴾(۱) کیا ہم اس کو تمہارے سر چپکا دیں حالانکہ تم کو اس کی پرواہ بھی نہیں تو اخلاص تو اتنا آسان نہیں کہ بلا طلب بھی مل جاوے اور چونکہ دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔

علم وعمل کا اہتمام باعثِ اخلاص ہو جائے گا

اب دیکھئے کہ تحصیل علم میں ہماری کیا نیت ہوتی ہے ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی یہ نیت ہو کہ غیر مرضیات حق (۲) سے بچیں اور خدا اس سے خوش ہوگا جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل کہاں سے آئے' اول عمل میں اخلاص پیدا کرنا ضروری ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اگر نیت خالص نہ ہو تو تحصیل علم ہی چھوڑ دو' نہیں! پڑھنا تو بہر حال ضروری ہے کیونکہ اگر تحصیل کے وقت اخلاص نہیں ہے تاہم امید ہے کہ علم حاصل

(۱) سورۃ ھود: ۲۸ (۲) جو چیز اللہ کی مرضی کے خلاف ہو اس سے بچیں گے۔

کر لینے سے پھر کبھی پیدا ہو جائے گا اور اگر علم ہی حاصل نہ کیا تو یہ امید بھی نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر عمل میں اخلاص نہ ہوتا ہم عمل نہ چھوڑو کہ کبھی عمل کرتے کرتے اس کی برکت سے بھی اخلاص پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ان دونوں میں تجاذب (۱) بھی ہے کبھی عمل سے نیت درست ہو جاتی ہے جیسا کہ علم سے اکثر یہ بات ہو جاتی ہے تو اگر نیت خالص نہ ہو تب بھی چھوڑ نہ دے کیونکہ آئندہ حاصل ہو جانے کی تو امید ہے۔ بزرگوں کا قول ہے (تعلمنا العلم لغیر اللّٰہ فابی العلم الا ان یکون اللّٰہ) (۲) ہم نے فقہ اس لئے سیکھا تھا کہ فتویٰ لکھیں گے مفتی کہلائیں گے یا حدیث پڑھتے ہیں کہ وعظ کہیں گے لوگ ہم کو نذرانے دیں گے دانت گھسائی دیں گے بعضوں نے مباحثوں کے لئے پڑھا تھا کہ بڑی عزت ہوگی مگر علم خدا ہی کا ہو کر رہا علم نے مانا ہی نہیں کہ وہ غیر کا ہو کر رہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مثلاً قرآن میں کوئی آیت وعید پڑھی جس میں علم سے دنیا کمانے کی مذمت تھی اور قلب میں ایک کھٹکا پیدا ہو گیا کہ میں بھی تو اسی مرض میں مبتلا ہوں تو اپنے کو ملامت کرتا ہے اور روتا ہے پس اس طرح عالم با عمل ہو گیا۔ یہ ہے (ابی العلم الا ان یکون اللّٰہ) کہ علم سے کبھی نہ کبھی اخلاص ہو ہی جاتا ہے۔

عربی اور انگریزی علم میں فرق

اس سے ان لوگوں کا جواب بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا جو کہتے ہیں کہ اگر انگریزی سیکھنا بُرا ہے تو آج کل کے طالب علموں کو عربی سیکھنا بھی اچھا نہیں کیونکہ اسی میں ان کی کونسی نیت اچھی ہے دونوں سے مقصود دنیا ہے بس دونوں بُرے ہوئے اور اگر کہو کہ انگریزی میں عقائد خراب ہوتے ہیں تو عربی کے ساتھ بھی تو

(۱) ایک دوسرے کو کھینچنے کا مقناطیسی اثر (۲) ہم نے علم حاصل کرنا شروع کیا تھا علم نے کہا دنیا کا نہیں اللہ کا ہو جا۔

فلسفہ ہے اس سے بھی عقائد خراب ہو سکتے ہیں، یہ ہیں اقوال اہل شبہات کے مگر یہ سب تلبیسات ہیں (۱) دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ علومِ محمودہ حدیث وقرآن جب عربی پڑھنے والے کی زبان سے ادا ہوں گے کان بھی سنے گا اس میں غوروفکر بھی کرے گا تو اس کے ساتھ ایک ہادی تو موجود ہے کبھی تو اثر پڑے گا اور اصلاح ہو جاوے گی انگریزی میں کوئی امید بھی اصلاح کی نہیں بڑا کھلا فرق ہے۔

کام کرنا نہ کرنے سے بہتر ہے

غرض (ابی العلم الا ان یکون اللّٰہ)(۲) کے یہ معنی ہیں کہ علم خدا کا کر کے رہتا ہے اس لئے اول تو اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ پہلے ہی سے تحصیلِ علم میں نیت خالص ہو اور اگر کسی کی نیت ابھی خالص نہ ہو تو اس کو چھوڑنا ہرگز نہیں چاہئے امید ہے کہ کبھی اخلاص حاصل ہو جائے گا۔

اسی لئے اہل اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص کام کرتا ہے گو ریاء ہی سے ہو اس شخص سے اچھا ہے جو کام کرتا ہی نہ ہو کیونکہ کبھی نہ کبھی ریاء بھی جاتا رہے گا اور عمل رہ جاوے گا۔ مثلاً کوئی شخص ذکر کرتا ہے دوسرا آدمی اس کو ریاکار کہے تو اس سے کہا جائے گا کہ میاں تم نے تو ریاء کے لئے بھی نہ کیا تم کس منہ سے طعن کرتے ہو۔ سودا نے کیا خوب کہا ہے۔

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر کو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تو کرنے والا نہ کرنے والے سے پھر بھی بہتر ہے البتہ کرنے والوں کی یہ شکایت ہے کہ نیت کو خالص کرنا بھی تو فرض ہے اسے کیوں چھوڑ رکھا ہے مثلاً

(۱) چالیس ہیں (۲) علم نے غیر کا بننے سے انکار کر دیا اور صرف اللہ کا ہوا۔

ایک شخص بے چبائے کھانا کھاتا ہے تو اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ کھاتے کیوں ہو ہاں یہ ضرور کہا جائے گا کہ اچھی طرح چبا کر کیوں نہیں کھاتے۔

کام میں لگے رہو منزل پالوگے

بعض لوگ نماز نہیں پڑھتے کہ جیسے پڑھنی چاہئے ویسی تو ادا ہوتی نہیں پھر پڑھنے سے کیا فائدہ' سو یہ لوگ سخت غلطی میں مبتلا ہیں کیا اگر کوئی کام اچھی طرح نہ ہو سکے تو اس کو بالکل بھی نہ کرنا چاہئے اگر ایک لڑکا تختی لکھنا چھوڑ دے کہ اچھا تو لکھا جاتا نہیں کہ کوئی اس عذر کو مانے گا ہرگز نہیں بلکہ اس سے کہا جائے گا کہ تو خراب ہی لکھتا رہ کبھی نہ کبھی خط عمدہ ہی ہو جائے گا ویسے ہی یہاں بھی سمجھو۔

اور یہ کہنا کہ جیسی ہونی چاہئے ویسی ادا نہیں ہو سکتی یعنی ناممکن ہے یہ بھی غلط ہے ضرور ہو سکتی ہے۔ شریعت میں کوئی ایسا کام نہیں کہ نہ ہو سکے۔ ہاں ارادہ اور طلب پہلی شرط ہے' اب میں ایسے لوگوں کو جو اس لئے کام نہیں کرتے کہ عمل کامل تو ہوتا نہیں پھر کیا کام کریں۔ ایک بات سناتا ہوں کہ جس کو آپ کامل سمجھتے ہیں اس کی توفیق کے بعد بھی چونکہ اس وقت نظر صحیح ہوگی آپ اس کو ناقص ہی دیکھئے گا۔ بہرحال کام کئے جاؤ کامل ہو خواہ ناقص ہو انشاء اللہ تعالیٰ ناقص ہی سے کامل ہو جائے گا دیکھو ایک شخص نے لکھنا شروع کیا اور خراب جیم لکھی گئی اور میر پنجہ کش (۱) کی جیم دیکھ کر مایوس ہو گیا تو اس سے بھی کہا جائیگا کہ ابتداء میں انتہا پر نظر نہیں کیا کرتے جیسا کچھ ہے کئے جاؤ ہوتے ہوتے کام ہوتا ہے ایک دم سے نہیں ہو جاتا ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

''اس راہ میں لگے رہو اور کام کئے جاؤ اور آخری دم تک فارغ مت بیٹھو (یہی مقصودِ حاصل ہے)''

---

(۱) بہت عمدہ کاتب تھے۔

تادم آخر دمے آخر بود　　که عنایت ہا تو صاحب سر بود

''تا کہ تیرا آخری سانس اس قسم کا سانس ہو کہ حق تعالیٰ کی ہر قسم کی عنایتیں تیرے ساتھ ہو'' کام کیئے جاؤ کسی نہ کسی روز انشاء اللہ فضل ہو جاوے گا۔ حافظ علیہ الرحمۃ کہتے ہیں ۔

یوسف گم گشتہ باز آید بکنعاں غم مخور　　کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

''یوسف علیہ السلام جو گم ہو گئے ہیں پھر کنعان میں آئیں گے فکر و غم مت کرو جو مقام غموں کا گھر بنا ہوا ہے ایک روز گلستان بن کر رہے گا فکر مت کرو''۔

حصولِ مقصد میں جلدی نہ کرو

باقی تقاضا اور جلدی خرابی کی بات ہے اور وجہ مایوسی کی یہ ہوتی ہے کہ آج کل کے لوگ کسی ایک خاص شئے کو اپنا مطلوب قرار دے لیتے ہیں جب وہ حاصل نہ ہوئی تو سمجھتے ہیں کہ کچھ حاصل نہ ہوا سو خوب سمجھ لو کہ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(۱) وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی انسان جتنی اصلاح پر اس وقت قادر ہے۔ اس وقت میں اسی قدر کا مکلّف(۲) ہے اور جیسے سو برس کا مجاہدہ کرنے والا خدا کا محبوب ہے ایسے ہی یہ بھی محبوب ہے جس نے ابھی کام شروع کیا ہے اگرچہ درجۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ محبوب دونوں ہیں اگرچہ مراتب کا فرق ہے۔ دیکھئے اگر طالب علموں کو شیرینی تقسیم ہو تو الف بے پڑھنے والوں کو بھی اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا شمس بازغہ(۳) پڑھنے والے کو، تو پڑھتے رہئے اور ارادہ نہ توڑیئے مشکل وہی ہے کہ اپنے نزدیک خاص مطلوب تراش لیا(۴) ہے اور یوں چاہتے ہیں کہ ہم آج ہی جنیدؒ کے برابر ہو جائیں۔ پھر اپنے اندر جب کمی دیکھتے

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۸۵ (۲) جتنی اصلاح اس وقت کر سکتے ہو تم اتنے ہی کے پابند ہو (۳) ایک کتاب کا نام ہے (۴) گھڑ لیا ہے۔

ہیں تو سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اور نہ ہونے کی امید ہے بعضے اس سے ناامید ہوجاتے ہیں کہ کامل تو وہی ہے جو جنیدؒ کے برابر ہو اور ان کی برابری ممکن نہیں سو اول تو کمال منحصر نہیں مماثلت جنیدؒ(۱) میں' دوسرے تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ جنیدؒ کے برابر نہیں ہوسکتے۔ خداوند تعالیٰ کا فیض ہر وقت اور ہر زمانہ میں یکساں ہے ان کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ اب جنیدؒ اور شبلیؒ جیسے بنادیں ۔

ہنوز آں ابر رحمت دُرفشان ست   خُم و خمخانہ با مُہرو نشان ست

''ابھی وہ رحمت کا بادل موتی برسا رہا ہے شراب کا مٹکا اور شراب خانہ سب پر مہر اور نشان لگے ہوئے ہیں''۔

تصوف میں ترقی اپنے کو کمتر سمجھنا ہے

البتہ یہ ضروری نہیں کہ تم کو بھی اپنا جنیدؒ ہونا معلوم ہوجائے اور کیا خبر ہے کہ اگر تم کو مساوات (۲) معلوم بھی ہوجائے تو تم عجب (۳) میں مبتلا ہوکر فاسق سے بھی بدتر ہوجاؤ تو اس کا طالب ہونا کہ ہم کو بھی معلوم ہوجاوے کہ ہم کس مرتبہ کے ہیں اپنی تنزل کا طالب ہونا ہے۔ اس راہ میں ترقی یہی ہے کہ اپنے کو سب سے حقیر سمجھے اور کسی درجہ کا مستحق نہ سمجھے جو کچھ مل جائے وہ محض انعام خداوندی ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اپنی ترقی محسوس ہوجایا کرے۔ مثلاً ایک شخص مرے اور نابالغ بچہ چھوڑے اور جائیداد کورٹ ہوجائے تو یہ بچہ زمین کا مالک ہے اور زمیندار ہے اگرچہ اس کو اس کی خبر بھی نہیں کہ میں کتنے کا مالک ہوں تو ایسی چیز کا طالب ہونا یہ اپنے کو گرانا ہے اس اعلیٰ درجہ سے جو اس کو حاصل ہے۔

(۱) کمال کا انحصار حضرت جنید بغدادیؒ جیسا ہونے میں نہیں (۲) برابر ہونا معلوم بھی ہوجائے (۳) خود پسندی میں مبتلاء ہوکر فاسق سے بھی بدتر ہوجاؤ گے۔

طالبِ ثمرات ہونا عبدیت کے خلاف ہے

آپ کو کام کے لئے کہا گیا ہے اپنا کام کئے جاؤ
کار خود کن کار بیگانہ مکن (۱)

آپ کا کام امتثالِ امر (۲) ہے وہ کیجئے پھر جس مرتبہ کا ارادہ واستعداد ہوگی اس مرتبہ کی کامیابی ہوگی پھر تشویش کیوں کی جاوے اکثر کام کرنے والوں سے ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے درپے ہوتے ہیں کہ ہمیں کچھ حاصل ہوا یا نہیں اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہئے۔ اب لوگوں میں یہ عیب ہے کہ جو چیزیں ان کے اختیار میں نہیں ہیں جیسے ثمرات مخصوصہ کا مرتب ہونا ان کی طلب میں پڑ جاتے ہیں یاد رکھو جو شخص غیر اختیاری امور کی طلب کرے گا وہ ہمیشہ پریشانی میں مبتلا رہے گا بعض ثمرات تو موعود (۳) بھی نہیں ان کا ترتب تو یقینی بھی نہیں ان کی فکر میں پڑنا تو پوری پریشانی ہے باقی جو موعود بھی ہیں جیسے اجر وثواب ان کا وعدہ آخرت میں ہے یہاں ان کا انتظار کرنا بھی ظاہر ہے کہ پریشانی ہی پریشانی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو ایک کام بتلایا ہے اور ایک شے کا وعدہ کیا ہے ہمارا کام عبادت ہے وہ اپنا وعدہ آخرت میں خود پورا کریں گے۔ ہمارا طالبِ ثمرات ہونا خلافِ عبدیت ہے اور اس طرح یہ دیکھنا کہ میں اتنے دنوں سے کام کر رہا ہوں کچھ ملا بھی یا نہیں خلافِ اخلاص بھی ہے۔ کیونکہ ثمراتِ عاجلہ (۴) کا طالب ہونا ہے حالانکہ اب بھی جو اس کو مل رہا ہے یعنی اصلاح کے تدریجی مراتب اس کا اس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ ایسی مثال ہے جیسے بچہ پڑھتا ہے اور آج اور کل میں کچھ فرق نہیں

(۱) اپنا کام کرو دوسرے کے کام میں دخل نہ دو (۲) حکم بجالانا ہے (۳) بعض ثمرات کا تو وعدہ بھی نہیں کیا گیا اس لئے ان کا مرتب ہونا تو یقینی بھی نہیں (۴) فوری بدلہ چاہنا ہے۔

معلوم ہوتا حالانکہ بالکل اول اور بہت آخر کو ملا کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ کتنا فرق ہوگیا ہے۔ صاحبو! ایسے ہی مومن کے اول و آخر کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہوگیا۔ تو فرق یقیناً ہوتا ہے مگر یہ بات کہ کرنے والے کو بھی معلوم ہو سو یہ ضروری نہیں اول تو ثمراتِ عاجلہ کا ہونا ہی ضروری نہیں اور ہوں بھی تو خبر ہونا ضروری نہیں اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے ورنہ اس سے بہت سے وساوس و خطرات پیدا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کسی کو بسطِ عنایت (۱) فرماتے ہیں کسی کو حزن و غم (۲) عطا کرتے ہیں اور یہ ہر ایک کے حال کے موافق ہوتا ہے کیونکہ اگر بسط والے کو حزن و غم دے تو وہ عمل ہی چھوڑ بیٹھے یا اگر حزن والے کو بسط دے تو وہ اپنے کو بڑا سمجھنے لگے تو ہر ایک کے لئے وہی مناسب ہے جو اس کو ملے اسی کو کہتے ہیں ؂

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش ۔۔۔ کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطاف است (۳)

تو ارادہ کرنے کے بعد یہ غلطیاں ہوتی ہیں ان کی وجہ سے ارادہ میں سستی ہو جاتی ہے غرض بعض تو سرے سے ارادہ ہی نہیں کرتے اور بعض شروع کرتے ہیں مگر ان وساوس کی وجہ سے ان کو تعطل ہو جاتا ہے اس لئے میں نے اس کی شرح کردی کہ ارادہ کرو اور ان قصوں کو چھوڑ دو تم ارادہ کئے جاؤ اور جس کے مکلّف ہو اس کے درپے رہو۔

اخلاصِ نیت کی ضرورت

اور وہ مکلّف یہ ہے کہ نیت کو خالص کرو علوم میں بھی اور اعمال میں بھی تحصیلِ علوم میں جو خرابیاں لوگوں نے کر رکھی ہیں اس کی تفصیل کی اس وقت اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس وقت مخاطب اہل علم ہیں تو ان کو یہ نیت کرنا چاہئے کہ علم

(۱) کشادگی عطا فرماتے ہیں (۲) کسی کو غم و پریشانی (۳) تل چھٹ یا صاف شراب کی فکر نہ کرو جو مل جاوے پی جاؤ کیونکہ ہمارے ساقی کی طرف سے جو بھی مل جاوے وہی اس کی عین مہربانی ہے۔

حاصل کر کے ہم احکامِ الٰہی پر خود کار بند ہوں (۱) گے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے اور میں وصیت کرتا ہوں کہ نوکری کی نیت نہ کرو گو انشاء اللہ وہ ملے گی ضرور مگر نیت اس کی مت رکھو اور بعد میں جب مل جاوے تو کر لو۔

تعلیمِ دین پر تنخواہ کے جواز کی وجہ

اور پڑھانے پر تنخواہ لینا جائز ہے یہ غلطی ہے کہ تعلیم پر تنخواہ لینا جائز نہیں اور یہ جواز حنفیہ کے اصول پر بھی ہے کیونکہ جو شخص کسی کے کام میں محبوس ہوتا ہے اس کا نفقہ اسی کے ذمہ واجب ہوتا ہے یا نہیں' دیکھو قضاۃ (۲) کو وظیفہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ وہ محبوس ہیں۔ دوسرے دیکھو بیت المال کیا ہے وہ مجموعہ مسلمانوں کے مال کا جس کو سلطان حسبِ ضرورت مختلف مقامات میں صرف کرتا ہے علماء کو بھی اس میں سے وظائف دیئے جاتے ہیں اور کسی نے اس کو حرام نہیں کہا تو چندہ کی بھی تو یہی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے مال کا مجموعہ ہے صرف اتنا فرق ہے کہ بیت المال سلطان کی طرف منسوب ہوتا ہے اس لئے لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت ہے چندہ کی وقعت نہیں ورنہ اصل میں دونوں یکساں ہیں پھر چندہ میں سے علماء کو وظائف لینا کیوں حرام ہونے لگا ہے اور تعیین مقدار سے اس کی اجرت ہونے کا شبہہ نہ کیا جاوے تعیین تو اس لئے کی جاتی ہے تاکہ بعد میں نزاع (۳) نہ ہو ورنہ اگر تعیین نہ کی جاوے اور موافق ضرورت دیا جائے تو اس میں اختلاف و نزاع کا بڑا اندیشہ ہے۔ تم کہو کہ اتنی مقدار مجھے ناکافی ہے۔ دوسرا کہے کہ کافی ہے' اس نزاع کے رفع کرنے کو پہلے ہی سے مقدار معین کر دی جاتی ہے۔ غرض تنخواہ تعلیم کے جواز

(۱) احکام الٰہی کی خود پابندی کریں گے (۲) حکومت کے خزانے سے جج کو تنخواہ اسی لئے دی جاتی ہے (۳) جھگڑا نہ ہو۔

میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس کا انتظام کرنا تو یہ کام مسلمانوں کے ذمہ ہے آپ اس کی فکر میں کیوں پڑیں آپ کے ذمہ جو کام ہے خدمتِ دین آپ اس کی نیت رکھیں اور اسے بلا تنخواہ ہی شروع کر دیں۔ مسلمان اپنا کام کریں گے یہ تو ایسا ہوا کہ مثلاً امام مصلّے پر پہنچ کر یہ قصد کرے کہ میں اس وقت نیت باندھوں گا جب پہلے مقتدی نیت باندھ چکیں۔

علماء اپنا کام کریں تنخواہ پر نظر نہ رکھیں

تو تم اپنا کام کرو لوگ اپنا کام کریں گے اور میں وعدہ بلکہ دعویٰ کرتا ہوں کہ اگر تم اپنا کام شروع کردو گے تو لوگ زبردستی خدمت کریں گے تم ان کو دھکیلو گے اور وہ ہاتھ جوڑ کر دیں گے اسی لئے میں اپنے دوستوں کو کہا کرتا ہوں کہ میاں تنخواہ میں جھگڑا نہ کیا کرو۔ صاحبو! خدمتِ دین تو خود ہمارا کام ہے اس میں بھاؤ تاؤ کیسا کیا وہ کرنا چاہتے ہو جیسا ہندوؤں کے ساتھ باہمن کیا کرتے ہیں۔ کہ جب ان کی دعوت ہوا کرتی ہے تو کچھ کھا کر ہاتھ کھینچ لیتے ہیں ہندو ان کی خوشامدیں کرتے ہیں کہ اور کھاؤ وہ پوچھتے ہیں کیا دو گے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ایک لڈو پر ایک روپیہ' وہ ایک دو کھا کر پھر ہاتھ روک لیتے ہیں پھر وہ ایک لڈو پر دو روپے دیتے ہیں۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تنخواہ پر کبھی جھگڑا مت کرو جو خدمت کریں خوشی سے قبول کرلو۔ جب لوگوں کو معلوم ہوگا کہ تمہارا کام نہیں چلتا وہ خود بخود تمہاری امداد کریں گے۔ آپ اللہ کے واسطے اپنا کام کیجئے۔ یہ تو مضمون تھا اخلاص فی العلم کا۔

عملی کوتاہیاں

اب رہے اعمال سو ان میں عدمِ اخلاص کے سبب جو خرابیاں ہیں ان میں

عوام بھی شریک ہیں کیونکہ علوم میں تو عوام بہت اچھے ہیں وہ کوئی مسئلہ اس نیت سے نہیں پوچھتے کہ اس سے نوکری ملے گی البتہ بعض اوقات ایک فعل عبث میں تو مبتلا ہوجاتے ہیں کہ بلا ضرورت مسئلے پوچھتے ہیں اور بعض دوسری اغراضِ فاسدہ میں بھی کبھی مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اس لئے مسئلے پوچھتے ہیں تا کہ جھگڑا کریں مگر ایسے لوگ کم ہیں زیادہ یہی حالت ہے کہ پوچھ لیا اور عمل کرلیا۔ ہاں عمل کی خرابی میں خواص وعوام دونوں شریک ہیں گوخواص کا محلِ ریاء دوسرا ہے ان کا دوسرا۔

اعمال میں اغراضِ فاسدہ

مثلاً بعض خواص غور کرکے دیکھ لیں کہ وہ ذکر و تلاوت کس غرض سے کرتے ہیں۔ محض اس لئے کہ نام ونمود ہو جاہ ہو۔ جلسے اس واسطے کرتے ہیں کہ ہمارا گذر ہو آمدنی ہو شہرت ہو۔ پیری مریدی کرتے ہیں نیت یہ ہوتی ہے کہ آمدنی بڑھے۔ بعض پیر ایسے بھی ہیں کہ مال نہیں لیتے نذرانہ قبول نہیں کرتے مگر وہاں بھی نیت خالص نہیں ہوتی نہ لینے کے اندر بھی دنیاوی غرض ہوتی ہے کہ وقعت ہو عزت ہو لوگ مستغنی سمجھیں چونکہ اخلاص نہیں اس لئے ایسوں کے لینے میں بھی خرابی اور نہ لینے میں بھی خرابی وہ حال ہے کہ ؎

چوں گرسنہ می شوی سگ شوی چونکہ خوردی تند و بدرگ می شوی(۱)

عوام میں اخلاص کی کمی

عوام کی یہ حالت ہے کہ مسجد بناتے ہیں فخر ومباہات کے لئے تا کہ سب کو معلوم ہوجائے کہ یہ مسجد فلاں کی بنوائی ہوئی ہے اور اسی لئے لوگ آجکل کثرت سے

---

(۱) جب تو بھوکا ہوتا ہے تو کتے کی طرح ہوتا ہے یعنی دم ہلاتا خوشامد کرتا پھرتا ہے اور جب کھالیتا ہے تو سخت طبیعت اور شریر بن جاتا ہے۔

مسجدیں بناتے ہیں باوجودیکہ ضرورت بھی نہیں، صاحبو! مسجدیں تو پیچھے بنایئے پہلے مسجد والے تو بناؤ بہت سی مسجدیں آج کل ویران نظر آتی ہیں جن میں نہ اذان ہے نہ جماعت، اسی طرح اکثر لوگ وعظ کے بعد مٹھائی تقسیم کرتے ہیں جس سے صرف نام ہی مقصود ہوتا ہے، قیمتی کپڑے پہنتے ہیں لوگوں کی آنکھوں میں بڑا بننے کے لئے۔

نیت کی درستگی ضروری ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ قیمتی کپڑے نہ پہنو، نہیں! خوب پہنو مگر نیت یہ ہو کہ اس سے ہمارا جی خوش ہوگا خدا کی نعمت پر شکر کی توفیق ہوگی، دوسروں کو دکھانے کی نیت نہ ہو یہ ناجائز ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اگر ہم تنہا ہوں تو دیکھ لیں کہ اسی زینت کے ساتھ اس وقت بھی ہوتے ہیں یا نہیں ہم نے تو دیکھا ہے کہ تکلف والے گھر میں معمولی حالت سے بھی کم تر ہوتے ہیں ہاں باہر جانے کے لئے ساری زینت کی جاتی ہے۔ پھر یہ کیسے کہیں کہ دکھلاوا مقصود نہیں۔ دیکھو اگر عمدہ غذا کھانے کی عادت ہو تو تنہائی میں بھی عمدہ کھاؤ گے اور سب کے سامنے بھی۔ تو اگر عمدہ کپڑا پہننا اپنا جی خوش کرنے کے لئے ہے تو تنہائی میں اس کو کیوں اتارا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس نمائش کی بدولت ایسے کپڑے پہنتے ہیں کہ جس سے تکلیف بھی ہوتی ہے۔ مثلاً گرمی کے وقت گرم اچکن، تو ریاء میں آخرت اور دنیا دونوں کا زیاں (۱) ہی ہے۔ باقی اگر قیمتی لباس پہننے کے ساتھ اس طرح التفات نہ ہو اور مالی گنجائش بھی ہو تو عمدہ لباس پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اکثر ایسا ہی دیکھا کہ گنجائش والے کو لباس کی طرف زیادہ مشغولی نہیں ہوتی۔

---

(۱) نقصان۔

اہمیت نماز

بھوپال کی حکایت سنی ہے کہ ایک مرتبہ نماز کے وقت بارش آ گئی۔ فرض تو ہو چکے تھے لوگ سنتیں پڑھ رہے تھے اور تو سب جلدی جلدی نماز ختم کر کے اندر چلے گئے مگر ایک رئیس کہ جو قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھے انہوں نے جلدی نہیں کی بلکہ بہت خشوع خضوع سے نماز پڑھتے رہے جب نماز ختم کر کے اندر گئے تو بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے نماز میں اختصار کیوں نہیں کیا بارش سے آپ کے تمام کپڑے خراب ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ کپڑے تو میرے پاس اور بہت ہیں میں ان کو اتار کر دوسرے پہن سکتا ہوں۔ مگر جلدی سے جو نماز میں خرابی آتی اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔ سبحان اللہ ایسے شخص کا البتہ حق ہے کہ اچھے کپڑے پہنے جس کو پہن کر اس کو نماز پر ترجیح نہیں دی۔

ذوق کے نزدیک بہترین شاعر

جیسے ایک خبطی شاعر کی حکایت ہے کہ نماز میں ایک مصرع یاد آیا تو فوراً نماز توڑ کر مصرع کو قلمبند کر کے پھر نماز شروع کر دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی نماز کے بعد شعر لکھ لیا ہوتا۔ تو اس نے کہا کہ نماز کی تو قضا بھی ہے۔ مصرع اگر بھول جاتا تو اس کی کوئی بھی قضا نہ تھی۔ مگر یہ ان لوگوں کی حکایت ہے جو پورے شاعر نہ تھے۔ کاملین تو ایسے ہوتے ہیں کہ ذوق کہا کرتا تھا کہ یہ کیا شاعری ہے کہ ایک کوٹھری میں بند ہو کر شعر لکھے جائیں۔ شاعر اسے کہتے ہیں کہ میرے اور میرے کسی معاصر کی کمر میں رسی باندھ کر کنویں میں لٹکا دو اور رسی کاٹ دو پانی کی سطح پر پہنچتے پہنچتے جو شخص زیادہ شعر لکھ لائے وہی شاعر ہے تو جو صاحبِ کمال ہوتا

ہے اس کو زیادہ اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح جس شخص کے پاس کپڑا گنجائش کا ہوگا اس کو زیادہ پرواہ بھی نہیں ہوتی اور جن کے پاس گنجائش نہیں وہ اگر اس میں مشغول ہوجاتے ہیں تو ان کو انہاک ہوجاتا ہے۔ حتی کہ اگر یہ لوگ گبرون (۱) کا بھی کپڑا لیں گے تو ایسا کہ ذرا ملیدہ (۲) معلوم ہو۔

فیشن کا نقصان

ایک بزرگ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ریل میں ایک جنٹلمین گبرون کا کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ جاڑوں کا موسم تھا نہ ان کے پاس رضائی نہ کوئی گرم کپڑا۔ یہ بھی آجکل کی تہذیب ہے کہ جاڑوں میں روئی کا کپڑا نہیں پہنتے ایک اسٹیشن پر انگریزوں نے ہوٹل میں جاکر برف پیا تو ان کی بھی شامت آئی برف پی کر جو آئے تو کانپنے لگے۔ غرض جو شخص اپنی وسعت سے زیادہ کام کرتا ہے ہمیشہ تکلیف اٹھاتا ہے بعضوں کو وسعت نہیں مگر تشبہ کے پیچھے مرے جاتے ہیں تو بزرگ نے اس شخص سے کہا کہ میرے پاس کپڑے تو بہت ہیں مگر روئی کے ہیں شاید آپ کو ناپسند ہوں۔ مگر انہوں نے اس وقت یہی کہا کہ آپ کا بڑا احسان ہوگا روئی کا ہی کپڑا دیدیجئے۔

ایک اور حکایت یاد آئی ایک صاحب گرمیوں کے موسم میں صراحی لے کر ریل میں سوار ہوئے تو ایک جنٹلمین نے کہا کہ یہ کیا بھنگیوں کے سے برتن لئے پھرتے ہیں یہ چپ ہورہے۔ اتفاق سے مہذب صاحب کو لگی پیاس اسٹیشن پر پانی ملا نہیں تو اب بار بار صراحی کو دیکھتے ہیں یہ صاحب قصداً آنکھیں بند کر کے لیٹ رہے جب دیر ہوگئی تو جنٹلمین صاحب ان کو سوتا ہوا سمجھ کر اٹھے اور صراحی سے پانی پی لیا جب پانی پی چکے تو ان حضرت نے ہاتھ پکڑ لیا کہ صاحب آپ نے بھنگی کے

(۱) ایک قسم کا موٹا کپڑا (۲) یہ بھی کپڑے کی ایک قسم ہے۔

برتن سے کیوں پانی پیا چپ ہو گیا اور معافی چاہنے لگا۔ یہ ذکر تھا نمائش لباس کا جس میں اکثر عوام مبتلا ہیں۔

اسراف کی برائی

علیٰ ہٰذا دعوت کرتے ہیں برادری کی اور اس میں حد سے زیادہ اسراف کرتے ہیں جس سے صرف نام ونمود ہی مقصود ہوتا ہے اور جب علماء اس کو منع کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ علماء مباحات(۱) سے منع کرتے ہیں حالانکہ وہ مباہات(۲) سے روکتے ہیں۔ جہیز میں بے حد اسراف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صلہ رحمی ہے حالانکہ اگر صلہ رحمی ہے تو چھپا کر کیوں نہ دیدیا اگر صلہ رحمی میں اعلان ضروری ہے تو روزانہ سب کو دکھلا کر اپنے بچوں کو کیوں نہ کھلایا پہنایا کرو یہ سب بہانے ہیں بلکہ یوں سننا چاہتے ہیں کہ فلاں نے اپنی بیٹی کا جہیز بساط(۳) سے زیادہ دیا حالانکہ یہ حماقت ہے مگر لوگوں کے مذاق کچھ ایسے بدل گئے ہیں کہ مذمت کو بھی تعریف سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

انتقال کے موقع پر کھانا کھلانے کی غرض

برادری کا کھانا محض اس واسطے ہوتا ہے کہ یہ دیکھتے ہیں کہ فلانے نے کیا کیا کھلایا تھا۔ غمی میں دیکھئے کہ زبان سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب کے لئے کھانا کھلاتے ہیں۔ مگر امتحان یہ ہے کہ اگر اس شخص سے خلوت میں یہ کہا جائے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس مصرف میں زیادہ ضرورت ہوتی ہے اس میں روپیہ دینے سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور جن کی تم دعوت کرتے ہو یہ سب کھاتے پیتے غنی ہیں تم یہ دعوت کا روپیہ فلاں مدرسہ مسجد میں دیدو یا فلاں آبرودار غریب آدمی کو چپکے سے دیدو اور اس

(۱) جائز چیزوں سے منع کرتے ہیں (۲) شیخی کرنے سے روکتے ہیں (۳) اپنی طاقت سے زیادہ دیا۔

کا ثواب میت کو بخشدو تو آپ دیکھئے اس شخص کے دل پر کیا گذرتی ہے یہی کہے گا کہ سبحان اللہ روپیہ بھی خرچ ہوا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی تو بتلایئے کہ یہ صاف ریاء ہے یا نہیں، معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ دکھلاوے کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب یہ حال ہے تو ثواب کہاں سے ہوگا اور جب اس کو ثواب نہ ملا تو میت کو کیا بخشے گا کیونکہ ثواب پہنچانے کا خلاصہ تو یہ ہے کہ تم نے ایک نیک کام کیا اور جو ثواب اس کا تم کو ملتا وہ تم نے کسی دوسرے کو بخشدیا اور جب یہاں ہی صفر ہے تو وہاں کیا بخشو گے۔

فاسد غرض سے کھلانے پر ثواب نہیں ملتا

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ رام پور میں ایک شخص کسی جھوٹے پیر سے مرید ہوگئے کچھ دنوں کے بعد کسی نے پوچھا کہ کہو پیر صاحب سے کیا فیض پہنچا یہ تھے صاف آدمی۔ کہا جب سقا وہ ہی میں نہ ہو تو بدھنے میں کہاں سے آوے(۱) تو یہی صورت ہے ثواب ملنے کی پہلے کرنے والے کو ملتا ہے پھر وہ دوسرے کو دیتا ہے۔ تو جب اُسی کو نہ ملا تو یہ کسی کو کیا دے گا گویا سارا روپیہ ضائع گیا اور یہ سب تو دعوے ہی دعوے ہیں کہ ثواب کے لئے کھانا کھلاتے ہیں صرف برادری سے شرما کر کیا جاتا ہے اور لوگ اس کا زبان سے اقرار بھی کر لیتے ہیں۔ کیرانہ میں ایک گوجر بیمار تھا اس کا لڑکا حکیم صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حکیم جی اس مرتبہ تو کسی طرح میرے باپ کو اچھا ہی کردو مجھے اس بڈھے کے مرنے کا تو غم نہیں مگر آج کل چاول بہت گراں ہے برادری کو کھانا کھلانا بہت مشکل ہوگا وہ بیچارہ سیدھا تھا سچی بات کہدی ہم باوضع ہیں زبان سے ظاہر نہیں کرتے۔ مگر دل

---

(۱) جب مٹکے میں پانی نہیں ہوگا تو لوٹے میں پانی کہاں سے آئے گا۔

میں سب کے یہی ہے۔ یہ تو کھلانے والوں کی حالت ہے باقی کھانے والے وہ تو پورے ہی بے حیا ہیں کہ ایسے غم میں بجائے ہمدردی کے اور الٹا اس پر بار ڈالتے ہیں۔

چالیسویں کی حقیقت

اسی باب میں ایک صاحب کی حکایت بیان کرتے تھے کہ ضلع بلند شہر میں ایک رئیس کا انتقال ہوگیا چالیسویں دن رسم ادا کرنے کو ان کے تمام عزیز وقریب دوست احباب ہاتھی گھوڑے لے کر جمع ہوئے۔ رئیس زادہ نے سب کی خاطر مدارات کی عمدہ عمدہ کھانے پکوائے جب کھانے کا وقت آیا اور تمام لوگ دسترخوان پر جمع ہوگئے اور سب کے آگے کھانے چُن دیئے۔ رئیس زادے نے کھڑے ہوکر تقریر کی کہ صاحبو! کھانے سے پہلے میری ایک بات سن لیجئے پھر کھانا شروع کیجئے گا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ لوگ اس وقت کس لئے جمع ہوئے ہیں۔ چونکہ مجھ پر ایک بڑا حادثہ گذرا ہے کہ میرے والد کا سایہ میرے سر پر سے اٹھ گیا ہے اس لئے آپ لوگ میرے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو کیا ہمدردی اسی کا نام ہے کہ میں تو غم میں مبتلا ہوں اور اس کی وجہ سے نہ کھانے کا رہا نہ پینے کا اور آپ لوگ آستینیں چڑھا کر عمدہ عمدہ کھانے کھانے بیٹھ گئے تم کو شرم نہیں آتی۔ بس اب کھانا شروع کیجئے۔ مگر اب کون کھاتا تمام شرفاء مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک جگہ جمع ہوکر آپس میں مشورہ کیا کہ واقعی یہ چالیسویں کہ رسم اٹھادینے کے قابل ہے۔ چنانچہ سب نے متفق ہوکر اس رائے پر دستخط کردیئے اور وہ تمام کھانا غرباء کو تقسیم کرادیا گیا۔ حقیقت میں اگر غور کرو تو یہ سارے کھانے جو برادری کو کھلائے جاتے ہیں اسی قسم کے ہیں جن سے کھلانے والے کو بجز تکلیف کے اور کھانے والے کو بجز بے حیائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اب بھی مولویوں ہی کو بدنام کرتے ہیں کہ ایصالِ ثواب سے منع کرتے ہیں صاحبو ایصال ثواب سے کوئی منع نہیں کرتا۔ البتہ بے ڈھنگے پن سے منع کیا جاتا ہے دیکھو اگر کوئی قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھے تو اس کو منع کریں گے یا نہیں اگر شریعت کے موافق عمل ہو تو پھر دیکھو کون منع کرتا ہے جس کی بڑی شرط یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ ہو یعنی ثواب کی نیت سے کیا جائے۔

ذِکر کرنے میں کیا نیت کرنی چاہئے

اور یہ سب اہل ظاہر کے اخلاص کا ذکر تھا اور اہل باطن کا اخلاص یہ ہے کہ اصلی غرض ذکر وغیرہ سے محض رضائے حق ہو یعنی صرف یہ نیت ہو کہ اس سے خدا راضی ہوگا۔ اس کے خلاف جب کوئی نیت ہوگی گو وہ امر دنیوی ہو مثلاً ثمراتِ باطنہ وہ اخلاص کے خلاف ہوگی۔ حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾(۱) کہ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا'' تو تمہاری نیت تو ذکر کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہمارا ذکر ہو یہ وہ غرض ہے کہ شیطان اس میں کسی قسم کا وسوسہ بھی نہیں ڈال سکتا کیونکہ وہ یہ تو کہہ ہی نہیں سکتا کہ شاید حق تعالیٰ تم کو یاد نہ کریں کیونکہ اس کا تو قرآن میں صریح وعدہ ہے میں اسی تقریر کو دوسری طرح کہتا ہوں کہ ثمرات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو موعودہ ہیں جیسے تمہارے ذکر اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تم کو یاد فرمانا اس کا طالب ہونا مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ دوسرے وہ جو موعود(۲) نہیں جیسے کیفیات واحوال اس کے طلب کرنے میں کوتاہی ہے کہ جب موعود نہیں تو اس کا طالب کیوں ہے۔ اور جب مطلوب نہیں تو مقصود کیوں بنایا جاوے۔ حاصل یہ کہ

(۱) سورۂ بقرہ: ۱۵۲ (۲) جن کا وعدہ نہیں کیا گیا۔

اور غرضوں کا مل جانا یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے طالب کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے ؎

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''اگر تو زندگی دے تو یہ تیری عطا و مہربانی ہے اور اگر تو موت دے تو میں خود تجھ پر فدا ہونے کو تیار ہوں۔ دل تو تیرے عشق میں مصروف ہے۔ تو جو بھی کرے تیری خوشی کی بات ہے''۔

اس کی تو یہ شان اور کیفیت ہونی چاہئے جو حضرت سرمد فرماتے ہیں۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دوکار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیاد می باید کرد

''اے سرمد گلہ و شکایت کم کر ان دو کاموں میں سے ایک کام کر۔ یا تو تن کو رضائے دوست پر قربان کر دے یا پھر شوقِ یار کا دعویٰ چھوڑ دے''۔

یعنی یا تو اس کی رضا جوئی میں جان دیدو نہیں تو یار ہی کو چھوڑ دو۔ بیشک صاحبِ باطن کو ایسا ہی ہونا چاہئے ؎

تو بندگی چوگدایان بشرط مزد کن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

''تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت مت کر۔ کیونکہ وہ آقا خود ہی بندوں کی پرورش کے طریقہ سے واقف ہے''۔

غرض کیفیات و احوال سب خدا کے قبضہ میں ہیں تم اپنا کام کئے جاؤ اور غیر اختیاری امور کی فکر میں نہ پڑو اور اس وقت ان باتوں کا یعنی اخلاص کے متعلق جزئیات کا استیعاب مقصود نہیں صرف نمونہ کے طور پر چند باتیں بیان کر دی ہیں اور یہ بھی بتلا دیا کہ انکا علاج یہ ہے' بہر حال اخلاص کی حقیقت تو سمجھ میں آ گئی کہ کوئی غرض نفسانی اپنی نہ ہو صرف رضائے حق مطلوب ہو۔

اخلاص کے حصول کا طریقہ

اب اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اور علاج سمجھئے وہ یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنا ہوتو پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کرتا ہوں اگر کوئی نیت فاسد ہوتو اس کو قلب سے نکال ڈالئے اور نیت خالص خدا کے لئے کرنی چاہئے۔ اس علاج کی آسانی کے لئے بہتر یہ ہے کہ مخلصین کی حکایت دیکھا کریں۔ اس سے بہت اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ مولاناؒ نے حضرت علیؓ کی ایک حکایت بیان فرمائی ہے ۔

او خدا انداخت برروئے علیؓ افتخار ہر نبی و ہر ولی

اور افتخار ہر نبی سے یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ حضرت علیؓ نبی سے بڑھ کر ہیں کیونکہ فخر ہمیشہ بڑے ہی سے نہیں ہوا کرتا کبھی بڑے بھی چھوٹوں سے فخر کیا کرتے ہیں جیسا کہ استاد فخر کرتے ہیں اپنے لائق شاگردوں پر۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو لڑائی میں زیر کیا اور سینے پر بیٹھ کر قصد کیا کہ خنجر سے ذبح کر دیں یہودی نے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ آپؓ نے فوراً چھوڑ دیا۔ یہودی نے حیران ہوکر پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا اب تو میں اور زیادہ قابلِ قتل تھا فرمایا میں پہلے خالصاً للہ قتل کرتا اور اب نفس کی بھی آمیزش ہوجاتی اس لئے میں نے چھوڑ دیا یہودی فوراً مسلمان ہوگیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاص اگر اسی حکایت کو یاد رکھیں تو کافی ہے دوسرے اہل اخلاص کی محبت اختیار کیجئے۔ ان کے اقوال وافعال پر نظر کیجئے تو آنکھیں کھل جاویں گی۔

ہدیہ دینے کے آداب

مجھے دو حکایتیں یاد آ گئیں ایک بلگرام کی کہ وہاں ایک بزرگ تھے ان سے ایک شخ کچھ پڑھتے تھے ایک دن پڑھنے آئے تو دیکھا کہ استاد کچھ مضمحل ہو رہے ہیں اس روز ان کے گھر میں فاقہ تھا یہ شخص باادب تھے استاد پر فاقہ کا اثر دیکھ کر پڑھنے سے انکار کر دیا اور اپنے گھر جا کر کچھ کھانا ان کے لئے لائے ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ کھانا ایسے وقت میں آیا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مگر مجھے اس کے لینے سے معاف کرو کیونکہ اس وقت اس کا قبول کرنا حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ (مَـا اَتَاكَ مِنْ غَيْرِ اِشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذْ)(۱) تو جب تم میرے پاس سے گئے ہو اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا تھا کہ تم کچھ لاؤ گے یہ آدمی سلیقہ مند تھے کچھ بھی اصرار نہیں کیا اور کھانا لیکر اٹھ کھڑے ہوئے جب ان کی نگاہ سے دور ہو گئے تو پھر لیکر لوٹے اور آ کر عرض کیا کہ اب تو یہ کھانا لینا آپ کو حدیث کے خلاف نہ ہوگا۔ کیونکہ جب میں لیکر چلا ہوں اس وقت تو آپ کو مایوسی ہو چکی تھی وہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں۔ ہم اگر ہوتے تو کہتے اجی حضرت خدا کے لئے لے لو آج کل یہ بات بھی عمدہ خصلتوں میں شمار ہوتی ہے کہ بزرگوں پر ہدیہ قبول کرنے میں زور ڈالا جائے اور خوب اصرار کیا جائے یہ بالکل نامناسب ہے یہ عادت محمود نہیں خدمت کے پچاس طریقے ہیں ہدیہ دینے ہی میں خدمت منحصر نہیں آپ نے دیکھا کہ ان بزرگ کی کیسی خالص نیت تھی اتنی آمیزش بھی نہ ہونے دی۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات جو بزرگ

---

(۱) جو چیز تمہیں بے خواہش ملے لے لو۔

لوگ کسی کا ہدیہ نہیں لیتے اس کی کبھی یہ بھی وجہ ہوتی ہے اس لئے ہدیہ دینے والے کو یہ سمجھ کرنا خوش نہ ہونا چاہئے کہ میرے ہدیے کو حقیر سمجھا۔

ہدیہ لینے کے آداب

دوسری حکایت حضرت حاتم اصمؒ کی ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک روپیہ لایا آپ نے پہلے تو انکار کر دیا اور نہ لیا مگر جب اس نے اصرار کیا تو لے لیا لوگوں نے پوچھا کہ اگر آپ کو لینا حرام تھا تو پھیر کیوں لیا اور حلال تھا تو پہلے انکار کیوں کیا؟ فرمایا فتوے کے موافق تھا اور تقویٰ کے خلاف، پہلے میں نے انکار کیا مگر جب میں نے دیکھا کہ نہ لینے میں اس کی ذلت ہے میری عزت اور لینے میں اس کی عزت ہے میری ذلت تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو ترجیح دی اور لے لیا۔ حضرات اگر بزرگانِ دین کبھی لیتے ہیں تو اس میں ان کی نیت یہ ہوتی ہے نہ ان کے لینے پر اعتراض کرو نہ انکار پر۔

خلاصۂ کلام

مگر بشرطیکہ بزرگ ہوں بُزْرَگ نہ ہوں ورنہ ؎

ایں کہ می بینی خلافِ آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

بہت سے آدمی کے مشابہ ہوتے ہیں مگر واقع میں آدمی نہیں ہوتے در پردہ شیطان ہوتے ہیں تو جو شخص بزرگ یعنی متبع شریعت ہو طالبوں پر شفیق ہو منکرات سے بچتا ہو اس کی صحبت سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہو اس کے سب افعال خلوص پر مبنی ہوتے ہیں، تو میں نے یہ چند حکایتیں بیان کر دی ہیں ان کو یاد رکھئے اگر ایسے لوگوں کی صحبت میسر ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھ کر حاصل کیجئے۔ اس وقت

دیکھئے گا کہ آپ کو خود ایسے امور کی تمیز ہو جائے گی۔ میں نے اخلاص کی اہمیت بھی بتلادی اور طریقہ بھی بتلادیا اب آگے کرنا آپ کا کام ہے خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔ آمین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ (۱)

تمت

(۱) اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔ خلیل احمد تھانوی ۱۸ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ۔